ہفت روزہ

ندائے خلافت

۳۰ اگست ۱۹۹۳ء

☆ پاکستانی سیاست کا المیہ کیا ہے..؟

☆ لاہور میں یوم آزادی پر تحریک خلافت پاکستان کی ریلی

☆ ایک سوال جس کے جواب میں کئی کہانیاں مستور ہیں

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

ہونی ہو کر رہتی ہے۔ تقدیر امم کے تیور بھانپنے اور حالات کی نبض پہچاننے والے اہل نظر بڑے دنوں سے ہمیں خبردار کرتے آرہے تھے کہ یہی الجھن رہے تو ہم اپنی آزادی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے لیکن ہم نے ان کی باتوں پر کان نہ دھرا اور نتیجہ اس کا یوں سامنے آیا ہے کہ ہماری آزادی پر تو آنچ بھی نہیں آئی لیکن غلامی کا طوق گلے میں پڑ گیا ہے۔ نئی نگران انتظامیہ ہماری اپنی حکومت ہے لیکن صاف نظر آتا ہے کہ ہدایات کہیں باہر سے لے رہی ہے۔ نگران وزیر اعظم کی ذات والاصفات پر کوئی ناروا الزام جڑنے کا گناہ ہم اپنے سر نہیں لیتے تاہم زبان خلق کو اگر نقارہ خدا سمجھنے میں کوئی حرج نہیں تو واقعہ یہ ہے کہ وہ مقررہ فرض منصبی کی ادائیگی میں اپنی حدود سے تجاوز کر رہے ہیں۔ انہیں آزادانہ، منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کرانے کے لئے امریکہ سے درآمد کیا گیا تھا۔ اس مقصد کے حصول کی غرض سے جو کارروائیاں ضروری تھیں، وہ ضرور کی جاتیں لیکن انہوں نے معیشت کے پورے ڈھانچے کو "اوور ہال" کرنے کے کام میں ہاتھ ڈال دیا ہے۔ جن خطوط پر وہ ہمارے مالیات کے نظام کی تشکیل نو کر رہے ہیں ان کی افادیت کے بارے میں تو دو آراء ہو سکتی ہیں، اس امر پر اختلاف کی گنجائش نہیں کہ بین الاقوامی مالیاتی ادارے (جو اقوام متحدہ کی طرح سب کے سب اب صرف امریکی مفادات کے محافظ ہیں) بالکل یہی چاہتے تھے۔

ملکوں کو فتح کرنے اور قوموں کو غلام بنانے کا رواج تو ختم ہو چکا اور نیو ورلڈ آرڈر اس اصول کا ضامن ہے جس سے صرف ایک استثناء صیہونیت کو حاصل ہو گا کہ وہ جب موقع مناسب دیکھے اپنے "عظیم تر اسرائیل" کے نقشے کی تکمیل کے لئے حسب ضرورت علاقوں کی تسخیر کر لے، البتہ قوموں کو اپنے مفادات کا تابع مہمل بنا کر رکھنا نئی بین الاقوامی شریعت میں بھی روا ہے۔ پاکستان میں سرتابی کی مجال تو کسی بھی حکومت میں نہیں تھی البتہ امریکہ کے مطالبات کو پورا کرنے میں کچھ پس و پیش کیا جاتا رہا جس کا تکلف اب برطرف کر دیا گیا ہے۔ نگران مرکزی کابینہ کے ایک رکن نے بڑے فخر سے دعویٰ کیا ہے کہ ہم نے ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کے مطالبات کو ان کی منشاء سے بڑھ کر پورا کر دیا ہے چنانچہ اب ادھر دریائے سخاوت میں طغیانی آئے گی جس کے آثار نظر بھی آنے لگے ہیں۔ امداد کی لہروں نے پاکستان کا رخ کرنا شروع کر دیا ہے لیکن یہ لہریں ہمارے قومی مفادات کو بہا تو نہ لے جائیں گی!۔

اہل پاکستان اب کہاں فریاد کریں، کس سے دادرسی کی امید رکھیں۔ آسمان سے گر کر وہ کھجور میں اٹک گئے ہیں۔ ان میں سے کھاتے پیتے لوگوں کی اقلیت کو تو انتظار میں کچھ زیادہ زحمت نہ ہو گی، وہ اطمینان سے بیٹھ کر تیل اور تیل کی دھار دیکھ سکتے ہیں لیکن آبادی کی اکثریت کے لئے صبح کا شام کرنا جوئے شیر لانا ہو گیا ہے۔ مہنگائی کے اٹھتے ہوئے طوفان نے ان کی سٹی گم کر دی ہے جس کے باعث وہ یہ فیصلہ کرنے میں بھی دشواری محسوس کر رہے ہیں کہ نگران حکومت کو نگرانی کی یہ قیمت ادا کر دیں، جو طلب کی جا رہی ہے یا اسی سیاسی دھما چوکڑی کو اپنی قسمت سمجھ کر صبر اور شکر کرنے میں عافیت تھی جو گزشتہ چند ماہ وطن عزیز میں تماشا دکھاتی رہی۔

اور سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی غلامی کا جوا گر دن سے اتار کر ہم نے خود ہی اپنی رسوائی کا سامان کیا ہے۔ وہ ایک غلامی ہمیں ہر نوع کی منت این و آں سے نجات دے سکتی تھی، ایک اللہ کے بندے بن کر ہم کل جہان کی بندگی سے بے نیاز ہو سکتے تھے لیکن رونا تو یہ ہے کہ اتنا کچھ دیکھ اور بھگت لینے کے باوجود ہم اب بھی یہ سمجھنے کو تیار نہیں ہیں کہ ؎

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

قیمت ۵ روپے

ضلع گجرات میں دو روزہ دعوتی پروگرام

تحریک خلافت پاکستان حلقہ گوجرانوالہ ڈویژن کے زیر اہتمام ۱۲۔۱۳ اگست کا دو روزہ پروگرام ضلع گجرات کے لئے تشکیل دیا گیا۔ پروگرام کے مطابق رفقاء ۱۲ اگست کی صبح پہلی منزل جلال پور جٹاں کے لئے روانہ ہوئے۔ قافلہ کے امیر جناب مرزا ندیم بیگ نائب ناظم حلقہ تھے۔

جلال پور جٹاں میں جلسہ خلافت کا انتظام کیا گیا تھا لہٰذا تمام دن جلسہ کے اعلان اور انتظامات کے علاوہ لوگوں سے انفرادی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ جلسہ بعد نماز عشاء تھا۔ جلسہ سے پہلے ہی مقامی پولیس کے افراد آ گئے اور مطلع کیا کہ جلسہ کا پروگرام کھلی جگہ پر نہیں ہو سکتا کیونکہ یہاں کی فضاء مذہبی فرقہ واریت کے پھیلاؤ کی وجہ سے سازگار نہیں لہٰذا مشورہ کے بعد پروگرام جلال پور جٹاں کی مرکزی مسجد میں منتقل کر دیا گیا۔ پروگرام کا آغاز بعد از نماز عشاء تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ امیر تنظیم اسلامی گجرات عبدالرؤف صاحب نے تلاوت کلام پاک کی۔ اس کے بعد نائب ناظم حلقہ مرزا ندیم بیگ نے نظام خلافت کے خدوخال اور برکات کے موضوع پر پر جوش اور مفصل خطاب فرمایا۔ جلسہ کے اختتام پر لوگوں نے زبردست تائیدی خیالات کے ساتھ نظام خلافت کو سراہا۔

۱۳ اگست کی صبح ٹانڈہ کے لئے روانگی ہوئی جہاں سے تنظیمی ساتھی محمد اسحاق صاحب کو ساتھ لے کر مزید آگے کے لئے رخت سفر باندھا۔ پہلی منزل بٹریلہ شریف تھی جہاں تین مقامات پر کارنر میٹنگز کی گئیں۔ ان سے مرزا ندیم بیگ صاحب نے خطاب کیا۔ اس کے بعد آزاد کشمیر کے ضلع بھمبر کے نواحی علاقہ چھمب جانا ہوا جو پاکستان اور بھارت کے باڈر کے قریب ہی واقع ہے۔ یہاں بھی کارنر میٹنگ سے خطاب مرزا ندیم بیگ صاحب نے کیا۔ انہوں نے حاضرین کو مقبوضہ کشمیر میں ہونے والے ظلم و ستم کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہم نے بھی دین اسلام کے نفاذ کے لئے پیش قدمی نہ کی تو ظلم کی سیاہ رات ہمیں بھی اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔ بعد ازاں موضع ہنج میں واپسی ہوئی جہاں تحریک کے معاونین ۱۵ کی تعداد میں موجود ہیں۔ یہاں اجتماع جمعہ سے خطاب کرنا تھا۔ مرزا ندیم بیگ صاحب نے محبت رسول ﷺ اور اس کے تقاضے کے موضوع پر پنجابی میں خطاب کیا جسے لوگوں نے بڑی دلچسپی اور توجہ سے سنا۔ بعد میں مقامی مسجد کے امام و خطیب مولانا نور محمد چشتی صاحب سے نائب ناظم مرزا ندیم بیگ نے ذاتی ملاقات کی، انہیں تحریک کی دعوت سے متعارف کروایا اور شمولیت کی دعوت دی۔

مولانا نور محمد چشتی صاحب کا تعلق جمعیت علماء پاکستان "نورانی گروپ" سے ہے اور وہ بھی اس انتخابی سیاست سے بیزار ہیں۔ انہوں نے وہاں مقامی حضرات کی موجودگی میں تحریک خلافت کا تعاون فارم پر کر کے شمولیت اختیار کی۔ یہاں پر مقامی ساتھیوں بالخصوص غلام احمد صاحب، عابد صاحب اور ناظم صاحب وغیرہ کا تذکرہ نہ کرنا زیادتی ہوگی کیونکہ انہیں کی محنتوں اور کاوشوں سے تحریک کی دعوت اس علاقہ میں پہنچی ہے۔

خطاب جمعہ کے بعد اس قافلہ نے واپسی کے لئے رخت سفر باندھا۔ بہرحال یہ بات شدت سے محسوس ہوئی کہ نواحی قصبوں اور علاقہ جات میں تحریک کی دعوت کا پھیلانا بہت ضروری اور سودمند ہے کیونکہ ہمارے ملک کی آبادی کی اکثریت نواحی علاقہ جات میں رہتی ہے۔ اس دو روزہ میں ۱۰ رفقاء نے شرکت کی۔ ○○

معتمد عمومی تنظیم اسلامی پاکستان جناب غلام محمد کی اطلاع کے مطابق امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے جو ۹/ اگست بروز سوموار تنظیمی دعوتی مقاصد کی خاطر قریباً ڈیڑھ ماہ کے لئے امریکہ روانہ ہو گئے ہیں، روانگی سے قبل مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ ۸/ اگست میں نظام العمل تنظیم اسلامی دفعہ ۲ ش ب کے مطابق جناب سراج الحق سید صاحب کو سفر سے واپسی تک کے لئے قائم مقام امیر تنظیم اسلامی پاکستان مقرر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ امیر محترم کو بخیر و عافیت سفر سے واپس لائے۔ آمین

جلسہ خلافت

بالمقابل والٹن ٹریننگ سکول والٹن روڈ لاہور

۲۶/ اگست بروز جمعرات بعد نماز مغرب

خصوصی خطاب: جنرل ایم ایچ انصاری

ناظم اعلیٰ تحریک خلافت پاکستان

○

دیگر مقررین: سید معین الدین شاہ اور مرزا ایوب بیگ

زیر اہتمام: تحریک خلافت پاکستان حلقہ لاہور ڈویژن

جلسہ خلافت

۳۰/ اگست بروز پیر بعد نماز عشاء

چوک دولت گیٹ ملتان

خصوصی خطاب: جنرل ایم ایچ انصاری

ناظم اعلیٰ تحریک خلافت پاکستان

دیگر مقررین: انجنیئر مختار حسین فاروقی اور سعید اظہر عاصم

پریس کانفرنس: ۳۰/ اگست بروز پیر دوپہر ۱۲ بجے

ملتان پریس کلب

باہتمام: تحریک خلافت پاکستان حلقہ ملتان ڈویژن

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

جلد ۲ شمارہ ۳۴

۳۰ اگست ۱۹۹۳ء

15

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی

مرکزی دفتر: ۶۷۔ اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور
مقامِ اشاعت
۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ، لاہور

قیمت فی پرچہ: -/۵ روپے
سالانہ زرتعاون (اندرون پاکستان) -/۱۰۰ روپے

زرتعاون برائے بیرونِ پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۱۰ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ——— ۸ " "
افریقہ، ایشیا، یورپ ——— ۱۲ " "
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ——— ۱۶ " "

آپس کی باتیں

ایڈیٹر کے ڈیسک سے

"دانش نورانی" کے بغیر منظرِ عام پر آنے والا یہ "ندائے خلافت" کا دوسرا شمارہ ہے اور ہمیں پورا اندازہ ہے کہ قارئین کرام اس کمی کو بڑی شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔ اس کا سبب عزیزم حافظ عاکف سعید کی ناسازیٔ طبع بنا۔ اب وہ بحمد اللہ صحت یابی کے بعد اپنے فرائض سنبھالنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ ان شاء اللہ اگلے پرچے میں "الھدیٰ" کا نورِ ہدایت حسبِ سابق ہماری رہنمائی کے لئے موجود ہو گا۔

ہمارے تجزیہ نگار جناب عبد الکریم عابد روزِ اول سے "ندا" اور پھر "ندائے خلافت" کے لئے سیاسی تجزیے لکھ رہے ہیں۔ کہنہ مشق صحافیوں میں وہ اس اعتبار سے منفرد ہیں کہ ان کے ذہنی پس منظر میں بھی اسی تحریک اسلامی کے فکر کی جھلک پائی جاتی ہے جو اب تو موجود نہیں، پہلے یہیں کہیں پائی جاتی تھی اور ہم بھی اسی فکر کے نخچیر ہیں۔ عابد صاحب کے اکثر خیالات سے عمومی اتفاق رکھتے ہوئے بھی ہم ان کے "صحافیانہ" تجزیوں کو اپنی تنظیم و تحریک کی ترجمانی قرار نہیں دیتے اور یہ وضاحت "ندا" کے دورِ ثانی کے بالکل آغاز میں ہی صراحت کے ساتھ کر دی گئی تھی کہ ان کی سیاسی سوچ کو اپنے قارئین کے سامنے لانے سے مقصود صرف یہ ہے کہ انہیں بھی سیاسی واقعات و حوادث کو مختلف زاویوں سے دیکھنے اور پرکھنے کی تربیت حاصل ہوتی رہے۔ بایں ہمہ ہمارے ایک محترم قاری نے عابد صاحب کے ایک خاص معاملے میں استدلال سے اختلاف کا اظہار کرتے ہوئے ایک طویل تحریر ہمیں بھیجی ہے جسے تقریباً من و عن شائع کر کے ہم نے گویا عرض کیا ہے کہ قارئین کی "ندائے خلافت" کے مندرجات سے اس درجہ دلچسپی ہمارے لئے موجبِ مسرت و اطمینان ہے۔

ان دنوں پوری قوم الیکشن کے بخار میں مبتلا ہے جس کی شدت بڑھنے کے ساتھ ہذیانی کیفیت میں بھی اضافہ ہو رہا ہے اور جس کے منہ میں جو آتا ہے، کہے چلا جاتا ہے۔ ہم لوگ اگرچہ اس سے براہِ راست متاثر نہیں ہوئے تاہم سوچ پر تو پہرہ نہیں بٹھایا جا سکتا۔ تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت پاکستان انتخابات کو ملک و قوم کی بقاء و سلامتی کے لئے ناگزیر سمجھتی ہے لیکن چونکہ ان سے اسلام کے حق میں کسی خیر کے برآمد ہونے کی توقع نہیں رکھتی لہٰذا اس پورے عمل سے ہمارا محض ایک نظری تعلق ہے۔ الیکشن میں حصہ لے رہے ہوتے تو ہمارے پاس بھی کوئی نہ کوئی "پارٹی لائن" ہوتی اور ہر سوچنے سمجھنے والا شخص اپنی رائے کو اسی میں مقید رکھتا، پارٹی لائن کی عدم موجودگی میں ہمارے ساتھی اگر بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے ہوں تو تعجب کی کونسی بات ہے۔ اندیشے اور وسوسے تو انہیں بھی پریشان کر ہی رہے ہیں۔ شمارہ زیرِ نظر میں الیکشن سے متعلق موضوعات پر کئی چیزیں پڑھنے کو ملیں گی جن میں معاملے کے الگ الگ پہلوؤں پر گفتگو کی گئی ہے۔ تحریک کے ایک سینئر قانون دان معاون جو ذمہ داری کا ایک مرکزی عہدہ بھی سنبھالے ہوئے ہیں، سابق صدر غلام اسحٰق خان سے سخت ناراض ہیں کیونکہ جو کچھ اب ہوتا نظر آتا ہے ان کے خیال میں اس کا سبب وہی بنے تھے چنانچہ سید معین الدین شاہ صاحب کی خواہش ہے کہ سابق صدر پر مقدمہ چلایا جائے اور انہیں قرار واقعی سزا دی جائے۔ ہمارے دوست راشد حفیظ صاحب نے اس الیکشن کو ایک وسیع کینوس میں رکھ کر دیکھا اور محسوس کیا ہے کہ ان کا انعقاد بروقت ہو گا یا نہیں، یہ تو ایک ثانوی بات ہے اصل پریشانی کی بات یہ ہے کہ ان کی نوعیت ایک خاص رنگ اختیار کرتی جا رہی ہے اور ان کا انعقاد اسی نہج سے ہوا تو نتائج بہت دور رس ہوں گے جن کی ہلاکت آفرینی کا اندازہ اچھے اچھوں کو نہیں ہے۔ لندن کا "اسپیکٹ" برصغیر بلکہ پاکستان سے تعلق رکھنے والے دین دار اور دردمند برطانوی مسلمانوں کا جریدہ ہے جس نے پاکستان کے تازہ حالات اور نگران وزیرِ اعظم کی شخصیت اور ان کے رجحانات پر کھل کر لکھا ہے۔ "اسپیکٹ" کے تجزیے سے آپ چاہے اختلاف کریں لیکن اسے توجہ کے ساتھ پڑھ ضرور لیں۔

اس دفعہ مضامین کے کئی مستقل سلسلوں کو تنگیٔ داماں کے سبب منقطع کرنا پڑا ہے جس کے لئے معذرت قبول فرمائیے۔ آئندہ شماروں میں تلافی مافات کی کوشش کی جائے گی۔

ہمیں امید ہے کہ "ندائے خلافت" میں آپ کی دلچسپی برقرار رہے گی بلکہ بڑھتی چلی جائے گی۔ ○○

پاکستانی سیاست کا المیہ کیا ہے..؟

فوجی جنرلوں کی مداخلت' خفیہ ایجنسیوں کی شرارت

یہاں ہر منتخب حکومت کی ٹانگ کھینچی گئی

عبدالکریم عابد

پاکستانی سیاست کی ہر کروٹ میں فوجی جنرلوں نے بنیادی کردار ادا کیا۔ ایوب خاں کے متعلق اب واضح ہو گیا ہے کہ وہ اقتدار ہاتھ میں لینے کے لئے عرصہ سے منصوبہ بندی کر رہے تھے اور اس غرض کے لئے بہت پہلے ان کا گورنر جنرل غلام محمد سے اور پھر صدر اسکندر مرزا سے گٹھ جوڑ قائم ہو گیا تھا۔ ایوبی اقتدار کا عشرہ ختم ہوا تو دوسری سازش یحییٰ خاں اور اس کے ساتھی جنرلوں نے کی۔ اس سازش کے نتیجے میں ایوب خاں کو جانا پڑا اور صدر یحییٰ قوم پر مسلط ہو گئے۔ انہوں نے انتخابات کرائے لیکن اس بدنیتی کے ساتھ کہ پارلیمنٹ میں کسی کی قطعی اکثریت نہیں ہو گی' چھوٹے چھوٹے گروپ ہوں گے اور وہ مستقل صدر رہنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس غرض کے لئے انٹیلی جنس کے اداروں نے قیوم اور دولتانہ میں صلح نہیں ہونے دی۔ جماعت اسلامی نے مسلم لیگ سے مصالحت کو کسر شان سمجھا اور جماعت کے مقابلے میں جمعیت العلمائے پاکستان کھڑی کر دی گئی۔ جمعیت العلمائے اسلام پہلے ہی الگ تھی۔

یہ سب بھٹو کے مقابلے میں ایک ہو کر بھی کر سکتے تھے لیکن انٹیلی جنس اداروں نے سب کو یہ کہہ کر گمراہ کیا کہ آپ سب سے طاقتور ہیں' آپ کو دوسروں سے اتحاد کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ مشرقی پاکستان میں کنونشن لیگ' روسی کمونسٹوں کی نیپ' بھاشانی نیپ' جماعت اسلامی' نظام اسلام پارٹی اور عوامی لیگ' ہر ایک کی پیٹھ ٹھونکی گئی۔ خاص طور پر بھاشانی کو عوامی لیگ کا توڑ کرنے کے لئے جلاؤ گھیراؤ کے نعرے اور سرمایہ مہیا کیا گیا مگر خفیہ ایجنسیوں اور یحییٰ خان کے خیال کے برعکس چھوٹے چھوٹے گروپ نہیں آئے' دو بڑے گروپ مغربی اور مشرقی پاکستان سے ابھر کر آئے جن کی لڑائی اور صدر یحییٰ کے جنرلوں کی مشرقی پاکستان میں اوندھی سیدھی حرکتوں نے حالات کو بگاڑ کی انتہا پر پہنچایا اور ملک کے دولخت ہونے کے ساتھ ہماری پیشانی پر ذلت اور شکست کا داغ لگ گیا۔

اس پس منظر میں جب فوج میں خود مارشل لاء کی وردی پہن کر سامنے آنے کا یارا نہیں رہا تو انہوں نے اپنی فوجی ٹوپی ذوالفقار علی بھٹو کے سر پر رکھ دی حالانکہ مارشل لاء کی ضرورت نہیں تھی۔ یا تو نئے الیکشن کرائے جاتے یا جو ارکان اسمبلی تھے' ان کا اجلاس طلب کیا جاتا اور بھٹو صاحب اکثریتی پارٹی کے لیڈر کی حیثیت میں سول حکمران بن سکتے تھے لیکن جنرلوں کو سول حکومت منظور ہی نہیں تھی۔ ان کا خیال تھا کہ ابھی مشرقی پاکستان کا معاملہ تازہ تازہ ہے' فی الحال بھٹو کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر رکھو بعد میں اسے ہٹا کر ہم خود مارشل لاء کی زمام کار براہ راست سنبھال لیں گے لیکن بھٹو نے بھی پورا انتظام کر رکھا تھا۔ کھر کے ذریعے جنرل پکڑ بلوائے گئے' انہیں چلتا کیا گیا اور بھٹو صاحب کی مرضی کے فوجی آمروں نے ان کی جگہ لی لیکن وہ اپنے جمہوری دور کی پہلی میعاد بھی مکمل نہیں کر سکے اور ہنگامے شروع ہو گئے۔

ان ہنگاموں کی پشت پر ایک طرف بھٹو صاحب کی اقتدار مطلق کی خواہش بے جا تھی تو دوسری طرف جی ایچ کیو بھی سازشوں میں لگا ہوا تھا۔ پیر پگاڑا ان کے خاص آدمی تھے اور اب یہ بات راز نہیں ہے کہ پی این اے کی تحریک کے پیچھے بھی جنرل چشتی اور دیگر جنرل حضرات تھے۔ سب کو پی این اے میں جمع کرنے کے علاوہ دوسرا کام یہ کیا گیا کہ بھٹو صاحب اور ان کے مخالفین میں سیاسی تصفیہ نہیں ہونے دیا گیا۔ ایک طرف انٹیلی جنس کے اشاروں پر چلنے والے پیرزادہ' ممتاز بھٹو' کوثر نیازی وغیرہ تھے اور دوسری طرف فوج کی طرف سے اصغر خاں' پیر پگاڑا اور نسیم ولی خان کو شہ تھی کہ ڈٹ جاؤ' بھٹو کو پھانسی پر لٹکانا ضروری ہے۔

اس پس منظر میں بھٹو گئے تو انٹیلی جنس نے پھر اپنا کام دکھایا۔ جس پی این اے کو انہوں نے بنایا تھا' اس کو منتشر اور متفرق کیا۔ اس کے بعد ضیاء الحق صاحب آئے اور جم کر بیٹھ گئے۔ تمام جنرلوں نے جو ریٹائر ہونے کے بعد فلسفے بگھارتے رہے' ضیاء الحق صاحب کے غیر آئینی' غیر سیاسی اور غیر اخلاقی نظام کا پوری طرح ساتھ دیا اور جب ضیاء الحق گئے تو فضا بدل چکی تھی۔ وہ امریکہ جو ہر مارشل لاء کے پیچھے ہوتا تھا' اب جمہوریت پر اصرار کرنے لگا کیونکہ فوجی آمریتوں کی ضرورت اسے سرد جنگ کے زمانہ میں تھی۔ اب امریکہ کی ضرورت مختلف ہو چکی تھی اس لئے مارشل لاء لگانے کا یارا کسی میں نہیں تھا لیکن چور چوری سے جاتا ہے' ہیرا پھیری سے نہیں جاتا اس لئے جنرل حضرات آئی ایس آئی کے ذریعہ سیاست کی ڈوریں ہلاتے رہے۔ وہ بے نظیر کو لانے والے بھی تھے اور نکالنے والے بھی۔

جنرلوں نے بھی ایسے حالات پیدا کئے کہ نواز شریف انتخابی جنگ میں فاتح بن کر ابھرے لیکن سیاسی فتح حاصل کرنے والا نواز شریف انہیں پسند نہیں تھا' انہیں ایک بے جان اور مجہول شخصیت چاہئے تھی جس کی نہ کوئی آواز ہو نہ طاقت ہو۔ اس لئے ہی جتوئی کو نگران وزیر اعظم بنایا گیا تھا اور مستقل وزیر اعظم کی حیثیت بھی جتوئی کے لئے طے تھی لیکن نواز شریف کی غیر معمولی سیاسی فتح نے پانسہ پلٹ دیا اور انہیں وزیر اعظم بنانا پڑا اگر پہلے ہی دن سے ان کی حکومت کو ڈھلمل کرنے کے لئے دانشوروں سے مضامین لکھائے جانے لگے اور ایوان صدر سے لوگ نئی نئی خبریں اور نئے نئے بیانات لے کر میدان سیاست میں گونجتے اور دندناتے رہے۔ نوبت لانگ مارچ تک پہنچا دی گئی جس کو نہ صرف صدر بلکہ فوجی جنرلوں کی بھی شہ حاصل تھی کیونکہ نواز شریف کو بدلنے کے لئے یہی ایک بہانہ ہو سکتا تھا مگر نواز شریف

ڈٹ گئے اور جانا تو انہیں تھا ہی' وہ ساتھ میں صدر اسحاق کو بھی لے گئے۔

بات بالکل عیاں ہے کہ صدر اور وزیر اعظم کا جانا اور موجودہ نگران حکومت کا آنا یہ جنرلوں کی منصوبہ بندی کا نتیجہ تھا۔ اگر وہ یہ تبدیلی چاہتے تو نواز شریف اپنی جگہ پر رہ سکتے تھے لیکن نواز شریف کا جانا انہیں اس قدر ضروری معلوم ہوا کہ اس کے لئے انہوں نے اپنا مہرہ صدر اسحاق' بھی پٹوا دیا۔ اب عبوری حکومت بڑے بڑے فیصلے کر رہی ہے' ایسے فیصلے کوئی بھی دو ماہی یا سہ ماہی حکومت نہیں کر سکتی۔ یہ فیصلے پوری قوت اور اطمینان کے ساتھ کئے جا رہے ہیں کیونکہ عبوری حکمرانوں کو معلوم ہے کہ ان اصلاحات کی حفاظت کا فریضہ آئندہ فوج انجام دیگی جو کسی منتخب حکومت کو ان اصلاحات سے سرتابی کی اجازت نہیں دیگی' جو سرتابی کرنا چاہے گا اس کی سرکوبی کر دیگی۔ دوسری طرف امریکہ اور عالمی مالیاتی ادارے ڈالروں کی جھنکار پر منتخب حکومت کو محو رقص رکھیں گے۔ جو بھی حکومت ہوگی' سخت ضرورت مند ہوگی اور اپنے خالی خزانہ کی وجہ سے رقم حاصل کرنا اس کی اولین ترجیح ہوگی اس لئے اصلاحات سے انحراف نہیں ہو سکے گا۔

پھر یہ بھی منصوبہ بندی کرلی گئی ہے کہ ۷۰ء کی طرح سب الگ الگ لڑیں اور نہ صرف یہ کہ جماعتیں آپس میں نہ ملیں بلکہ ہر جماعت کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ اس غرض کے لئے فوجی جنرلوں کی اجازت بلکہ تجویز پر مرتضیٰ بھٹو وارد ہو رہے ہیں۔ پیر گاڑا نے نواز شریف سے اتحاد کرلیا تھا' وہ بھی آقاؤں کو پسند نہیں آیا اور اعجاز الحق کے پیچھے بھی فرشتے لگے ہوئے ہیں کہ میاں تم بھی اپنی راہ الگ کرلو۔

اس سیاسی تاریخ کو بیان کرنا ہرگز پر لطف نہیں' سخت تکلیف دہ ہے اور دل جلتا ہے کہ کیوں فوج نے سیاست میں پڑ کر اپنے آپ کو بے وقعت کیا اور ملک کو بھی ذلیل رکھا۔ اگر یہ فوجی مداخلت نہ ہوتی اور ہماری سیاست کو آزادانہ ارتقاء کا میدان ملتا تو ہماری سیاسی جماعتیں آج بھارت کی سیاسی جماعتوں سے زیادہ طاقتور اور صحت مند نظریات و عناصر کی حامل ہوتیں۔ بھارت میں تو ایک گھسی پٹی فرسودہ کانگرس ہانپتی لڑکھڑاتی چل رہی ہے یا ہندو فرقہ پرست چھا گئے ہیں' ہمارے پاس نامساعد حالات کے باوجود پیپلز پارٹی نے بطور سیاسی پارٹی کے دنیا بھر سے اپنے آپ کو منوایا ہے اور مسلم لیگ میں نواز شریف نے نئی جان ڈالی ہے۔ اے این پی نے اپنے آپ کو بدلا ہے۔ اسلامی نظریہ کی جماعتوں کی بھی جڑیں ہیں اور جمہوری کاروبار کے لئے ہمارے پاس سیاسی اثاثہ بھی موجود ہے مگر مشکل یہ ہے کہ جو لوگ ایمپائر اور ریفری بن کر آتے ہیں' وہ فریق بن جاتے ہیں' کسی کو اٹھانا اور کسی کو گرانا اپنا فرض سمجھتے ہیں اور ان کی مداخلت سے سیاست سدھرنے کی بجائے اور بھی خراب ہو رہی ہے۔

اب بھی ہمارے جنرل حضرات اور فوج کی خفیہ ایجنسیاں ہمارے حال پر رحم کریں۔ جہاں انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ مارشل لاء نہیں لگائیں گی' وہاں یہ فیصلہ بھی کرلیا جائے کہ فوج سیاست پر بالواسطہ اثر انداز ہونے کی بھی کوئی کوشش نہیں کرے گی اور سیاست' حکومت اور جمہوریت کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کا حق دیا جائے گا اور وقفہ وقفہ سے ان کی ٹانگ گھسیٹنے کی کارروائی اب نہیں ہوگی ○○

جوہری ہتھیاروں کا ہوّا

اکثر سننے میں آتا ہے کہ کسی ملک کے بقاء اور سلامتی کے لئے جوہری ہتھیاروں کا حصول انتہائی ناگزیر ہے۔ اس میں خود مغربی ذرائع ابلاغ کا دانستہ اور نادانستہ کتنا ہاتھ ہے' اس سے قطع نظر سوچنے کی بات ہے کہ ہم سامنے نظر آنے والے حقائق سے چشم پوشی کر کے محض توہمات میں سرگرداں رہنے پر کیوں مجبور ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کسی ملک کے لئے عالمی برادری میں ایک باوقار مقام حاصل کرنے کے لئے جوہری ہتھیار اگر اتنے ہی اہمیت کے حامل ہیں تو سوویت یونین کو یہ ہتھیار تباہی سے کیوں نہ بچا سکے؟

یورپ اور امریکہ اگر جوہری ہتھیاروں کے بارے میں اتنے ہی سنجیدہ ہیں تو انہوں نے روس سے خرید کر انہیں تباہ کیوں نہیں کر دیا' جیسا کہ روس کی خواہش بھی تھی تاکہ روس کی مالی مدد بھی ہو جاتی اور عالمی امن کو تقویت حاصل ہوتی۔

اس کے برعکس عالمی برادری نے جان بوجھ کر اسے مرکز سے ہٹا کر قومی ریاستوں کے ہاتھوں میں جانے دیا تاکہ وہاں سے باسانی ادھر ادھر پھیل سکے۔ اور فی الواقع صورت حال یہ ہے کہ یہ ریاستیں امید لگائے بیٹھی ہیں کہ کوئی انہیں ڈالر دے کر یہ کاٹھ کباڑ اٹھالے جائے۔

آخر کیا وجہ ہے کہ مسلمان دوزخ کی آگ سے بھی زیادہ مغرب والوں کی اس ایجاد سے خوف کھا رہے ہیں؟ (ماخوذ)

نقطہ و نظر

غلام اسحاق خان کو معاف نہ کیا جائے

سابق صدر نے دستور پاکستان سے بغاوت کی تھی

سید معین الدین شاہ۔ ایڈووکیٹ

خوشحالی کی طرف گامزن پاکستان اپنے استحکام' اپنی سالمیت' قوموں کی برادری میں اہم مقام کا حامل' حفاظتی کونسل کی صدارت اور دنیائے اسلام کی ترجمانی کا اعزاز اور نمایاں حیثیت کی نشان دہی کے جلو میں آگے بڑھ رہا تھا کہ ۱۸ اپریل ۹۳ء کو غلام اسحٰق خان نے اپنی کمین گاہ سے پاکستان کی سالمیت' ترقی و استحکام پر ایک کاری وار کر کے بھارت اور امریکہ کے سامنے پاکستان کو چارے کے طور پر ڈالدیا۔ غلام اسحٰق نے بزعم خویش اپنی ذاتی خوشنودی مزاج کی آئینی آڑ میں پارلیمنٹ اور وزیر اعظم نواز شریف کی کابینہ برخواست کردی۔ اسحٰق خان کے اس اقدام کی تائید و منظوری فوری طور پر امریکہ نے دیدی۔ پاکستان پر اس کاری وار سے فوری پہلے امریکی سفیر کی سرپرستی اور آشیرباد سے بے نظیر بھٹو اور غلام اسحٰق میں صلاح مشورہ ہوا تھا جس کے نتیجہ کے طور پر پاکستان میں جمہوریت کی صف لپیٹ دی گئی۔

جمہوریت کی چند مسلمات ہیں۔ جمہوریت اپنی فطرت اور نوعیت کے اعتبار سے ایک اجتماعی تشخص اور اکثریتی پیرائے اظہار یا چہرہ رکھتی ہے۔ جمہوریت اکثریت کا نام اور کردار ہے۔ اکثریت کو اکثریت ہی تبدیل کر سکتی ہے۔ جمہوریت کو برخواست یا برطرف کیا ہی نہیں جاسکتا۔ فرد واحد خواہ اسکی نمائندہ حیثیت کچھ بھی ہو وہ صرف اپنی انفرادی شخصیت کا ہی حامل ہوتا ہے اور ایک

حقیر ترین اقلیت ہی شاذ ہو سکتا ہے۔ اس کی خوشنودی مزاج یا ذاتی پسند یا رائے کو کوئی حیثیت حاصل نہیں۔

پاکستان کا آئین الحکم للہ کے اتباع بذریعہ حکمرانی عوام کا پابند ہے' کسی بھی فرد واحد کو خواہ وہ کوئی بھی دستوری حیثیت رکھتا ہو اپنی انفرادی رائے سے جمہوری نظام حکومت کو توڑ پھوڑ نہیں سکتا جیسا کہ غلام اسحٰق خان نے جمہوری بنیاد پر قائم حکومت اور قومی اسمبلی کو اپنی ذاتی اور انفرادی خوشنودی مزاج کے بل بوتے پر توڑ دیا جو کہ ایک مسلمہ جمہوری ادارے کا شعوری قتل تھا۔

جمہوریت کے اس قتل کی تصدیق پاکستان کی اعلیٰ ترین فاضل عدالت نے اپنے ۲۶ مئی کے فیصلہ میں کردی کہ قومی اسمبلی اور نواز شریف حکومت کی برطرفی کا کوئی آئینی و قانونی جواز نہ تھا۔ سابق صدر کا ۱۸ اپریل کا حکم صدر کی برہمی مزاج اور غصہ کا نتیجہ تھا لہٰذا کالعدم قرار دیدیا۔ سب کچھ بحال کر دیا گیا جیسے کہ ۱۸ اپریل کا حکم اپنا وجود ہی نہ رکھتا ہو۔ مزید یہ کہ وزیر اعظم نہ تو صدر کے ماتحت ہوتا ہے اور نہ ہی صدر کو جوابدہ ہوتا ہے۔ صدر اور وزیر اعظم کے اپنے اپنے دائرہ اختیار ہیں جن میں ایک آئینی رشتہ استوار کیا گیا ہے۔ صدر اور وزیر اعظم شخصی تصادم اور اختلاف کے باوجود اپنے اپنے دائرہ کار میں فرائض کی ادائیگی بحسن وخوبی کر سکتے ہیں۔

قومی اسمبلی اور وزارت کی برطرفی کے ۱۸ اپریل کے صدارتی حکم کو فاضل عدالت عالیہ نے بلا جواز اور غیر آئینی قرار دے دیا۔ فاضل عدالت کے اس فیصلہ کے بعد غلام اسحٰق دستور کے آرٹیکل نمبر ۶ کی زد میں آجاتے ہیں اور ان پر دانستہ اور نیتاً آئین اور دستور سے بغاوت کا الزام آجاتا ہے۔ آئین سے اس دانستہ بغاوت کی بناء پر اسحٰق خان کے خلاف بغاوت کا مقدمہ قائم ہونا چاہئے جس میں موت کی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔

یہ تو سابق صدر اسحٰق خان کے کالعدم احکامات کا قانونی اور آئینی پہلو ہے جس سے بادی النظر میں اسحٰق خان پر دستور سے بغاوت کے جرم کا سرزد ہونا پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ۱۸ اپریل کے کالعدم احکامات کے نتیجہ میں ملکی و بین الاقوامی سطح پر پاکستان کی جو سبکی ہوئی وہ درج ذیل ہے:۔

۱) بین الاقوامی سطح پر پاکستان کی بے وقعتی اور جگ ہنسائی۔

۲) ملکی و قومی طور پر قوموں کی برادری میں پاکستان کی ساکھ کو ناقابل تلافی دھچکہ لگا۔

۳) پاکستان کے متعلق ایک غیر مستحکم اور متزلزل ریاست کا تاثر ابھرا۔

۴) پاکستان کے متعلق جمہوریت اور جمہوری مزاج سے عاری ریاست و مملکت کا تشخص سامنے آیا۔

۵) قومی سیاست اور جمہوری نظام کو اسحٰق خان نے دانستہ اور شعوری طور پر ایک دلدل میں دھکیل دیا۔

۶) وفاق اور صوبوں میں تصادم اور ملک میں طوائف الملوکی کی بنیاد رکھی۔

۷) پارلیمنٹ اور عدلیہ کو غیر معتبر ثابت کرنے اور حکم عدولی کی ریت ڈالی۔

۸) وفاقی حکومت اور صوبائی حکومت میں جنگ کی فضا پیدا کر کے رینجرز اور پنجاب پولیس میں مسلح تصادم تک نوبت پہنچادی۔

۹) ایوان صدر کو سازشوں کی پرورش گاہ بنادیا اور بین الاقوامی رسوائی کا ہدف بنادیا۔

۱۰) ملک میں ایک ایسے اخلاق باختہ 'خود غرض' مفاد پرست "وجعفران این زمان" کا گروہ تشکیل دینے کی کوشش کی جو ذاتی مفادات کے حصول کے لئے ملک و قوم کا ہر مفاد داؤ پر لگانے کو تیار ہوں تاکہ پاکستان کو عدم استحکام سے دوچار کر کے قوموں کی برادری میں معذور اور اپاہج بنا کر رکھ دیا جائے۔

غلام اسحٰق خان نے ۱۸ اپریل کو جب پاکستان کی سالمیت اور استحکام پر وار کیا' اس وقت اقوام متحدہ کے بین الاقوامی فورم پر پاکستان سفارتی طور پر تین قراردادیں جنرل اسمبلی سے منظور کرا چکا تھا' پاکستان کی سفارتی حیثیت اقوام عالم میں ممتاز مقام کی حامل تھی اور اسی اثر پذیری کے دوران پاکستان اپریل ۹۳ء میں حفاظتی کونسل کا صدر بن گیا۔ پاکستان نے بوسنیا اور کشمیر کے مسائل و معاملات اپنی گرفت میں لے کر آگے بڑھنے کے عملی اقدامات کا بیڑا اٹھایا۔ بین الاقوامی سطح پر پاکستان کی اس کامیاب سفارتی یلغار کا جارحانہ انداز بھارت اور امریکہ کو ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ دوسری طرف غلام اسحٰق خان ورلڈ بینک کے جنوب ایشیائی ڈائریکٹر اور ضیاء شہید کے دور میں وزیر مالیات بھی تھے۔ بہرکیف اسحٰق خان کو اقوام عالم کی کرتا دھرتا طاقتوں کا قرب بھی حاصل تھا۔ بوسنیا کے مظلوموں اور مجاہدین کشمیر کی جدوجہد فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہو چکی تھی۔ ایسے وقت میں پاکستان کا بین الاقوامی کردار بہت اہمیت اختیار کر گیا تھا اور پاکستان مسلمانان عالم کے مسائل و مشکلات کے حل کے لئے بہت موثر سیاسی دباؤ ڈالنے کی پوزیشن میں تھا۔ اس اہم اور فیصلہ کن موڑ پر پاکستان کے بین الاقوامی کردار کو غیر موثر بنانے اور ختم کرنے کے لئے پاکستان کی سیاسی اور اقتصادی طور پر مستحکم حکومت کو برخواست کر کے اور پارلیمنٹ کو توڑ کر پاکستان کی سفارتی یلغار کی روح نچوڑ لی اور پاکستان کو بین الاقوامی سطح پر بے دست وپا اور معذور کر دیا۔ اسحٰق خان نے ارادتاً اور شعوری طور پر پاکستان کو بحرانوں اور خلفشار کے حوالے کر دیا تاکہ اقوام عالم پاکستان کے متعلق بے یقینی کا شکار ہو کر اسے ایک غیر متوازن ریاست کے طور پر نظر انداز کر دیں اور پاکستان کا بین الاقوامی جارحانہ' سفارتی اقدام اپنی موت آپ مر جائے۔

پاکستان نے پوری دنیا میں دوستوں کا ایک حلقہ بنالیا تھا جو امریکی اثر و رسوخ کا متبادل بھی تھا اور امریکی اثر رسوخ کا حریف بھی۔ پاکستان کو اقتصادی' تجارتی اور صنعتی اعتبار سے انتہائی کٹھن حالات کے باوجود ترقی کی راہ پر گامزن کر دیا گیا تھا۔ پاکستان خود انحصاری کی منزل کی طرف رواں دواں تھا۔ غریب عوام کو ملکی وسائل کا کچھ فیصد پہنچنا شروع ہو گیا تھا۔ یہ بات ملک و قوم کے لئے حوصلہ افزائی اور خود اعتمادی کا ذریعہ بن رہی تھی کہ ناگہاں اسحٰق خان کے صدارتی وار نے پوری قوم اور مملکت خداداد پاکستان کو مایوسیوں کے اندھیروں میں پھینک دیا۔ پاکستان خوشحالی کی راہ پر گامزن ہونے کے لئے تیار ہی ہو رہا تھا کہ اسحٰق خان نے عوام کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔

اسحٰق خان نے پاکستان کو انتشار کے سپرد کر کے عدم استحکام کا شکار اور پاکستان کی سالمیت کو مجروح کر دیا ہے۔ الیکشن کا شوشہ صرف خلفشار پیدا کرنے کے لئے چھوڑا گیا تاکہ بھارت کی "را" اور امریکی سی آئی اے کھل کر پاکستان میں کھل کھیل سکے۔ بہرکیف ہمارے سیاست دانوں کا تدبر پاکستان کو خلفشار اور انتشار سے محفوظ رکھ سکتا ہے اور انتخابات استحکام پاکستان کا باعث بھی ہو سکتے ہیں لیکن پاکستان کی سالمیت و استحکام کے لئے یہ اشد ضروری ہے کہ اسحٰق خان پر آئین سے بغاوت کا مقدمہ چلایا جائے اور مجرم ثابت ہونے پر قرار واقعی سزا دی جائے جو دوسروں کے لئے باعث عبرت ہو OO

قرآن حکیم کی سورتوں
کے مضامین کا
اجمالی تجزیہ
ڈاکٹر اسرار احمد
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
اشاعت پنجم ص -/۴۰ روپے ' عام ر - ۲۰ روپے

معین قریشی کو کیا کردار ادا کرنے کے لئے پاکستان "برآمد" کیا گیا ہے..؟

وہ منگوائے نہیں، بھیجے گئے ہیں

مارشل لاء تو پھر ایک "لاء" ہے یہاں جو ہوا اسے آپ کیا کہیں گے..!

اخذ و ترجمہ: سردار اعوان

معین قریشی کا نام تینوں بڑوں یعنی صدر، وزیراعظم اور بینظیر کے لئے یکساں طور قابل قبول ہونے کی ایک وجہ غالباً ان کی خرابی صحت تھی کیونکہ اس سے ان کے تادیر اپنے عہدہ پر برقرار رہنے اور ایک منتظم کی بجائے "بادشاہ گر" کا کردار ادا کرنے کا امکان کم تھا مگر یہ بات یقینی ہے کہ جن لوگوں نے انہیں پاکستان کو "برآمد" کیا ہے وہ ان سے پورا پورا مفاد حاصل کریں گے۔

جہاں تک اکتوبر میں ہونے والے عام انتخابات کا تعلق ہے، عوام میں ان کے بارے میں کسی قسم کی گرم جوشی دیکھنے میں نہیں آرہی حالانکہ پاکستان کی تاریخ میں کئی دور ایسے رہے ہیں کہ سالہا سال عوام کو ووٹ دینے کے حق سے محروم رکھا گیا اور اب انہیں وہ زمانہ میسر آیا ہے جسے الیکشنوں کے جشن کا موسم کہا جا سکتا ہے۔ نیز جمہوریت کے بارے میں یہ کہنا شاید غلط نہ ہو گا کہ یہ کوئی بے عیب حکومتی نظام نہیں ہے مگر وقفے وقفے سے انتخابات کے ذریعے اپنے نقائص دور کرنے کی اس میں صلاحیت ضرور موجود ہے۔ تاہم پاکستانی سیاست کے بارے میں ہر شخص جانتا ہے کہ یہ محض پیسے کا کھیل ہے۔ بینظیر اور نواز شریف دونوں نے اپنے اپنے دور میں مال جمع کرنے پر ساری توجہ مرکوز رکھی اور صدر اسحاق اپنے داماد کی وجہ سے بدنام تھے۔ ان حالات میں یہ توقع کرنا کہ نئے انتخابات کے نتیجے میں کوئی دیانت دار اور باصلاحیت قیادت میسر آجائے گی، کار عبث ہے کیونکہ ایسی کوئی قیادت منظر عام پر موجود ہی نہیں۔ لوگ انہی جاگیرداروں، وڈیروں اور سرمایہ داروں کو ووٹ دینے پر مجبور ہیں جو قیام پاکستان سے لے کر اب تک اس ملک کے حاکم بنے ہوئے ہیں۔

لوگ یہ مانتے ہیں کہ ان کے تمام مسائل کا حل صرف اور صرف اسلام ہے مگر وہ چاہتے ہیں کہ اسلام خود بخود آجائے، انہیں کچھ نہ کرنا پڑے۔ الجزائر اور اس طرح کے دیگر ممالک کے برعکس، جہاں کے عوام سیکولر یا سوشلسٹ نظام کی غلط کاریوں سے سبق لے کر بڑی تیزی سے اسلام کی طرف آرہے ہیں، پاکستانی معاشرہ عملاً سیکولرزم کی طرف بڑھ رہا ہے۔ چنانچہ اس وقت عیسائی مشنری اداروں کی نظریں پاکستان پر لگی ہوئی ہیں جبکہ کشمیری مجاہدین اور دوسری کئی اسلامی تنظیمیں مایوسی کا شکار ہوتی نظر آتی ہیں جن کے نزدیک پاکستان کا تصور ایک "اسلامی جمہوریہ" کا تھا۔

پاکستان کی مذہبی جماعتوں کا المیہ یہ ہے کہ وہ نواز شریف یا بینظیر کے تعاون سے تو چند نشستیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں مگر اپنے طور وہ بھی حاصل نہیں کر پاتیں۔ قاضی حسین احمد کا اسلامک فرنٹ اب تک تو اپنے اس موقف پر قائم ہے کہ بینظیر یا نواز شریف میں سے کسی کے ساتھ اتحاد میں شامل نہیں ہو گا اور اصولی طور پر ان کا یہ موقف غلط بھی نہیں کہ دونوں ایک جیسی 'برائی' ہیں مگر عام اندازہ یہی ہے کہ اصل مقابلہ بینظیر اور نواز شریف کے درمیان ہے۔ بلکہ ممکن ہے اسلامک فرنٹ اپنی وہ درجن بھر نشستیں بھی برقرار نہ رکھ سکے جو پچھلی اسمبلی میں اس کے پاس تھیں، الا یہ کہ گزشتہ چھ سالہ لوٹ مار اور لاقانونیت کے خلاف رد عمل کے طور پر کوئی بہت بڑی عوامی لہر اٹھ کھڑی ہو۔

تعداد کے لحاظ سے تبلیغی جماعت کے ووٹ بہت اہم ہیں جو مذہبی جماعتوں کو جانے کی توقع ہو سکتی ہے مگر تبلیغی جماعت کے بارے میں خیال یہ ہے کہ ان کے نزدیک ساری سیاسی جماعتیں ایک جیسی ہیں۔ گزشتہ ماہ نواز شریف نے رائے ونڈ میں تبلیغی جماعت کے مرکز میں خاصا وقت گزارا اور جماعت کے اکابرین میں سے ایک ممتاز عالم دین مولانا جمشید صاحب کا ڈیڑھ گھنٹے کا خطاب بھی سنا۔ آخر میں نواز شریف کے سوال پر کہ درحقیقت اسلامی حکومت ہے کیا؟ مولانا نے فرمایا کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور کلمہ، بس یہی اسلام ہے۔ یہ جواب اس لحاظ سے بہت عمدہ تھا کہ اگر نواز شریف کو اسلامی حکومت کا علم نہیں تو یہاں آئے اور کلمہ سیکھے۔

اقتدار کی اس جنگ میں امریکہ کی زیادہ تر دلچسپی اس حد تک ہے کہ پاکستان کی افواج کو کمزور کیا جائے کیونکہ مسلم دنیا میں صرف پاکستان کی فوج ہی جنگ کے قابل رہ گئی ہے۔ پاکستان میں بھی جہاں باقی تمام حکومتی ادارے شکست و ریخت سے دوچار ہو چکے ہیں، یہ واحد ادارہ ہے جو بیرونی طاقتوں کی نظروں میں کھٹک رہا ہے۔ کیونکہ خلیج اور وسط ایشیاء میں امریکی مفادات کی رو سے پاکستانی افواج کا "آزاد خیال" اور سیکولر ہونا سخت ناگزیر ہو گیا ہے۔

معین قریشی کا تعلق قصور کے ایک مشہور مذہبی خانوادے سے ہے۔ ان کے دادا مولوی عبدالقادر قصوری انڈین کانگرس کے پنجاب میں صدر اور چچا میاں محمود علی قصوری ممتاز وکیل اور بائیں بازو کے مشہور سیاستدان تھے مگر اپنے والد مولانا محی الدین احمد قصوری کی طرح معین قریشی نے سیاست میں کبھی دلچسپی نہیں لی۔ ۱۹۵۸ء میں واشنگٹن میں بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی۔ ایم۔ ایف) کی ملازمت اختیار کرنے سے لے کر ۱۸ جولائی ۱۹۹۳ء میں وزارت عظمیٰ کا عہدہ سنبھالنے تک پینتیس (۳۵) سالوں میں انہوں کبھی پاکستان پلٹ کر نہیں دیکھا۔ معین قریشی کا گھریلو ماحول یورپی ہے اس کے باوجود ان کی بیٹی کا حال ہی میں ایک غیر مسلم امریکی کے ساتھ شادی کر لینا انہیں اچھا نہیں لگا۔ مگر بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے انہوں نے اسے غیر معمولی اہمیت نہیں دی۔ اپنے سیکولر نکتہ نگاہ کے علاوہ کہا جاتا ہے کہ وہ "بلانوش" بھی ہیں جس کی وجہ سے پاکستان میں حدود کے قوانین کی پابندی ان کے لئے ممکن نہیں ہو گی۔ معلوم ہوا ہے کہ انہوں

نے وزیراعظم ہاؤس کا پرتعیش کچن بند کر کے میریٹ ہوٹل سے کھانا منگوانے کا حکم دیا ہے جس کا بل وہ خود ادا کریں گے۔

معین قریشی نے دسمبر ۱۹۹۰ء میں بطور نائب صدر عالمی بنک ایک غیر سرکاری پاکستانی یونیورسٹی کے جلسہ تقسیم اسناد کی تقریب میں خطاب کیا تھا جس کی طرف اس وقت کسی نے زیادہ توجہ نہ دی۔ اپنے خطاب میں انہوں نے جس نئے سوشل کنٹریکٹ (بینظیر کا سوشل کنٹریکٹ نہیں) کی تجویز پیش کی تھی اس سے ان کے نظریات اور حکمت عملی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ پاکستان نے اپنے قیام کے دوران میں جو "اسلامی کنٹریکٹ" کیا تھا وہ کیا پورا ہو گیا ہے جو کسی نئے سوشل کنٹریکٹ کی بات کی جائے؟۔ کیا یہ اس بدعہدی کا نتیجہ نہیں کہ پاکستان کو ایک غیر رہائشی جو ایک ووٹر کی حیثیت بھی نہیں رکھتا بطور وزیراعظم درآمد کرنا پڑا!۔ جہاں کا حکمران طبقہ کسی عہد کی پاسداری کا قائل ہی نہ ہو اس پر کسی نئے سوشل کنٹریکٹ کے لئے کون بھروسہ کرے گا؟۔ بعض اطلاعات کے مطابق بینظیر اور نواز شریف معین قریشی کو آئندہ صدر قبول کرنے کے لئے تیار ہیں اور اگر یہ واشنگٹن کی خواہش ہے تو اس پر عمل کرنے کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ بھی نہیں۔

معین قریشی کی پاکستانی شہریت کے بارے میں صورت حال واضح نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بطور نامزد وزیراعظم سنگاپور سے روانگی سے صرف آدھ گھنٹہ قبل انہیں پاکسانی پاسپورٹ فراہم کیا گیا۔ ان کی حب الوطنی کے بارے میں کسی قسم کے شک کا یقیناً کوئی جواز نہیں مگر قانون کی رو سے پاکستان میں کوئی شخص جس کی بیوی غیر ملکی ہو کسی اعلیٰ عہدے پر فائز نہیں ہو سکتا مگر یہ کارنامہ پاکستان میں ہی انجام دیا جا سکتا ہے کہ نچلے درجے کی ملازمت حاصل کرنے کے لئے تو کئی طرح کے مراحل سے گزرنا ضروری ہو مگر ملک میں اعلیٰ ترین منصب کے لئے تمام قوانین دھرے کے دھرے رہ جائیں۔ معین قریشی کی بیوی اور چاروں بچے امریکی شہری ہیں۔

سابق صدر غلام اسحاق کہتے ہیں کہ اس سال ۲۳/ مارچ کو صورت حال اس قدر بگڑ چکی تھی کہ سیکرٹری خارجہ شہریار دوڑے ہوئے میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ بمبئی میں دھماکوں کے بعد بھارت نہ صرف پاکستان کے خلاف جنگ کا ارادہ کر رہا ہے بلکہ اس نے کہوٹہ پر حملے اور بحری ناکہ بندی کی دھمکی دی ہے۔ اس موقعہ پر آرمی چیف آف سٹاف بھی موجود تھے۔ میں نے نواز شریف کو فوراً ضروری کارروائی کے لئے کہا تو اس نے بتایا کہ میں نرسماراؤ سے فون پر بات کر رہا ہوں۔ وزیراعظم ۲۷ر مارچ کو مجھے ملنے کے لئے آئے اور کہنے لگے کہ نرسماراؤ سے ان کی بات نہیں ہو سکی البتہ مسلم لیگ نے انہیں صدارتی امیدوار کے طور پر نامزد کر دیا ہے۔ مجھے پاکستان کی سلامتی کی فکر تھی۔ میں نے کہا صدارتی امیدواری بعد کی بات ہے پہلے نرسماراؤ سے بات کرو۔ وزیراعظم نے جواب دیا کہ میں نے دہلی میں متعین پاکستانی سفیر کے ذمے یہ کام لگایا ہے۔ کچھ دنوں بعد دوبارہ پوچھا تو وہی جواب ملا کہ ابھی بات نہیں ہوئی اور بتایا گیا کہ وزیراعظم جرمنی جا رہے ہیں اور ایئرپورٹ سے کسی اہم اہل کار سے بات کریں گے۔ میں نے کہا کہ آرمی چیف سے بھی بات کر لینا۔ اسی شام آرمی چیف میرے پاس آئے اور بتایا کہ مجھے آپ سے ملنے کے لئے کہا گیا ہے۔ بہرحال ہم نے کسی طرح اس معاملے کو نپٹانے کی کوشش کی۔

بینظیر اور اسٹیبلشمنٹ دونوں اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ ایک دوسرے کو شکست دینا ممکن نہیں لہٰذا بینظیر کی دوبارہ کامیابی خارج از امکان نہیں۔ مگر کیا اسٹیبلشمنٹ بینظیر پر اندھا اعتماد کر کے بیٹھ رہے گی؟۔ مرتضیٰ بھٹو کو پاکستان لانے کی اطلاعات بے معنی نہیں ہو سکتیں!۔

نواز شریف تیسری دنیا کے کاروباری انداز میں کام کرنے کے عادی ہیں جہاں معیاری پیداوار اور موثر انتظامات کی بجائے کمیشن دے کر کاروبار چمکایا جاتا ہے

ڈاکٹر اسرار احمد

کی تالیف

استحکامِ پاکستان

اشاعت خاص
۵۰/- روپے

اشاعت عام
۳۵/- روپے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن
فون: ۸۵۶۰۰۳

چنانچہ وزیراعظم بنتے ہی انہوں نے سب سے پہلے ایک جامع امریکی انشورنس پالیسی حاصل کرنا ضروری سمجھی اور سنہری کارڈ ہاتھ میں لے کر سیاست گری کو آگے بڑھایا۔ فوج کی جانب سے بھی انہیں اطمینان تھا کیونکہ اصل چیز تو پیسہ ہے۔ آپ جرنیلوں کی بیگمات کو باہر بھجوا کر خریداری کروا دیں تو کسی کو مارشل لاء لگانے کی کیا پڑی ہے!۔ لیکن مسئلہ اس وقت پیدا ہوا جب نواز شریف اسٹیبلشمنٹ کو بھی آنکھیں دکھانے لگے جس کے وہ چہیتے تھے اور جس نے انہیں اقتدار میں لانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ نواز شریف کا سیاسی مستقبل غیر یقینی نظر آ رہا ہے لیکن بہرحال بالکل تاریک بھی نہیں۔ انہوں نے اگر اپنے رویے اور سیاسی حربوں سے کئی لوگوں کو مایوس کیا ہے تو سنہری کارڈ کی سیاست یا نئی اصطلاح کے مطابق "چمک" نے بہت سوں کو ان کے ساتھ بھی لا کھڑا کیا ہے۔

بعض لوگوں کے نزدیک عین ممکن ہے کہ حالیہ سیاسی بحران میں فوج کا کردار ننگے مارشل لاء کی نسبت بہتر ہو۔ تاریخ میں پہلی مرتبہ دیکھنے میں آیا کہ فوجی جرنیلوں نے کھلم کھلا صدر اور وزیراعظم کو اپنا عہدہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا ورنہ فوج ہمیشہ ٹینکوں کے ذریعے یہ عہدے خالی کراتی رہی ہے۔ اس سے جہاں پاکستان میں سیاستدانوں کی نااہلی پایہ ثبوت کو پہنچ گئی یہ طریقہ کار نتیجے کے اعتبار سے فوج کے لئے بھی نقصان دہ ثابت ہو سکتا تھا۔ وجہ یہ ہے کہ مارشل لاء تو پھر بھی ایک لاء تو ہے مگر یہاں جو کچھ ہوا ہے اسے آپ کیا کہیں گے؟۔ دوسری بات یہ ہے کہ مارشل لاء میں پوری فوج پیچھے تک ایک ادارے کی حیثیت میں سامنے آتی ہے۔ اور جو بھی غلط یا صحیح ہو اس کی ذمہ داری قبول کرتی ہے لیکن اس طرح اگر جرنیلوں کی سطح پر فیصلے کرنے کی ریت پڑ گئی تو کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سلسلہ کہاں جا کر ختم ہو گا۔

چین جیسے ممالک کے برعکس پاکستان ایک ایسا ملک ہے جسے امریکہ جس قدر دبانا چاہے دبا سکتا ہے کیونکہ پاکستان کے ساتھ امریکہ کے کسی قسم کے بھی معاشی یا فوجی مفادات وابستہ نہیں جو آڑے آتے ہوں چنانچہ حالیہ سیاسی بحران کا ایک اہم پہلو یہ سامنے آیا کہ نواز شریف ہو یا بینظیر اسحاق خان ہو یا فوجی جرنیل امریکہ کے سامنے سب بے بس ہیں۔ امریکہ وسطی ایشیا کی نو آزاد مسلم ریاستوں تک رسائی اور مسلم بنیاد پرستی کی لہر کے خلاف بطور سیڑھی پاکستان کو پاؤں تلے رکھنا ضروری خیال کرتا ہے۔ OO

(امپکٹ انٹرنیشنل اگست ستمبر ۹۳ء)

لاہور میں یوم آزادی پر تحریک خلافت پاکستان کی ریلی

مستقبل جمہوریت کا نہیں، خلافت کا ہے

موجودہ انتخابی ہنگامے سے مقصود نظام کو بدلنا نہیں

ریلی کی روح رواں-----
علاقائی خلافت کمیٹی لاہور
کے ناظم مرزا ایوب بیگ

محمد یونس

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو تحریک پاکستان کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور ہمارا آزاد وطن پاکستان معرض وجود میں آیا۔ قوم اسی یادگار دن کو جشن آزادی کے طور پر مناتی ہے۔ عوام و خواص کا ہر طبقہ اپنے اپنے انداز میں اس روز مختلف تقریبات کا اہتمام کرتا ہے۔ تحریک خلافت پاکستان کی رجسٹریشن کے بعد یہ پہلا یوم آزادی پاکستان آرہا تھا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے تحریک خلافت پاکستان حلقہ لاہور نے ایک موٹر سائیکل ریلی کا اہتمام کیا۔ پیش نظر مقاصد یہ تھے:

☆ تحریک خلافت پاکستان کا تعارف

☆ معاونین تحریک کو حرکت میں لانا

تحریک خلافت پاکستان حلقہ لاہور کے ناظم مرزا ایوب بیگ اور حلقہ لاہور کی خلافت کمیٹی نے اس ریلی کے سلسلے میں خاصی محنت کی۔ انتظامات پر غور و فکر کی غرض سے متعدد اجتماعات ہوئے جن میں ریلی کے سلسلے میں خاصا ہوم ورک کیا گیا۔ مختلف معاونین خلافت کی ریلی کے ضمن میں مختلف ڈیوٹیاں لگائی گئیں۔ ریلی کا روٹ بحث و مباحثہ کے بعد طے کیا گیا۔ یہ بات طے تھی کہ ریلی کے قائدین سب سے آگے ایک مزدا ٹرک پر سوار ہوں گے۔ اس ٹرک کی تیاری کے لئے عمران چشتی کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی اور انہوں نے اپنا کام بحسن و خوبی انجام دیا۔

تمام معاونین خلافت سے کہا گیا تھا کہ وہ پونے چار بجے مسجد شہداء ریگل چوک مال روڈ پر پہنچ جائیں تو لیجئے پونے چار بجا چاہتے ہیں اور تحریک خلافت کے معاونین مسجد شہداء گروہ در گروہ پہنچ رہے ہیں۔ کوئی موٹر سائیکل پر آرہا ہے تو کوئی موٹر کار پر اور کوئی پیدل ہی چلا آرہا ہے۔ تحریک خلافت پاکستان حلقہ لاہور کے سیکرٹری غازی محمد وقاص معاونین خلافت سے کہہ رہے ہیں کہ وہ تحریک خلافت پاکستان کا جھنڈا اپنی اپنی موٹر سائیکلوں پر لگالیں اور معاونین ذوق و شوق کے ساتھ یہ جھنڈے اپنی اپنی سواریوں پر نگار رہے ہیں۔

چار بجے مسجد شہداء کے صحن میں تمام معاونین کو جمع کیا گیا اور انہیں ہدایات دی جارہی ہیں۔ جناب طارق جاوید صاحب کہہ رہے ہیں کہ سب سے پہلے ہمیں اپنی

ریلی کے پہلے پڑاؤ پر
لکشمی چوک میں تحریک خلافت پاکستان
کے ناظم اعلیٰ جنرل (ریٹائرڈ) محمد حسین
انصاری نے خطاب فرمایا

نیت کو سیدھا رکھنا چاہئے کہ فرمان رسول ﷺ ہے "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے" اور ساتھ ہی اللہ سے دعا کرنی چاہئے کہ وہ ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے۔

ریلی کی ترتیب بتائی گئی کہ سب سے آگے مزدا ٹرک ہوگا جس میں تحریک خلافت پاکستان کے ناظم اعلیٰ میجر جنرل (ریٹائرڈ) محمد حسین انصاری، سیکریٹری عبدالرزاق صاحب، حلقہ لاہور کے ناظم مرزا ایوب بیگ اور مقررین سوار ہوں گے۔ اس کے بعد موٹر سائیکلیں ہوں گی اور ان کے پیچھے کاریں ہوں گی۔ سب سے آگے اور سب سے پیچھے ایک ایک پک اپ ہوگی جس پر لاؤڈ سپیکر ہوں گے اور ان کے ذریعے ہمارے ساتھی تحریک کا پیغام عام کر رہے ہوں گے۔ چار چار موٹر سائیکل سواروں پر مشتمل دو گروپ بنائے گئے ہیں جو مختلف چوکوں سے یہ ریلی اس طرح گزاریں گے کہ نہ ٹریفک کی روانی میں کوئی غیر معمولی رکاوٹ پڑے اور نہ راہگیروں کو تکلیف ہو۔ ہدایات کے ضمن میں یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ کہ راستے میں مختلف مقامات پر ریلی سے ہمارے مقررین خطاب کریں گے لہٰذا جب ریلی اس غرض سے کسی جگہ رکے تو سب معاونین اسی ترتیب میں اپنی اپنی سواریاں روک لیں گے۔ ہدایات کے بعد معاونین خلافت سے کہا گیا کہ اب لائن بنائی جائے تاکہ ریلی حرکت میں آسکے۔ ہر موٹر سائیکل سوار کے ہاتھ میں ایک ٹی بورڈ ہے جس پر مختلف نعرے درج ہیں۔ نظام خلافت کا مطلب کیا۔ امن خوشحالی اور فلاح"۔ "مستقبل جمہوریت کا نہیں خلافت کا ہے" اور "سود ہے جب تک۔ غربت ہے تب تک"

لیجئے ریلی روانہ ہوئی بسم اللہ مجریھا و مرسھا مختلف شاہراہوں سے ہوتی ہوئی شملہ پہاڑی پہنچی ہے تاکہ نماز عصر ادا کی جائے۔ نماز عصر کی ادائیگی کے بعد

ریلی کے دوران ہر پڑاؤ پر تحریک کے مقرر کو سننے کے لئے لوگ سٹ گئے

اپنے چھ فٹ قد پر اللہ کی خلافت قائم کرو اور جان لو کہ ہماری نجات نظام خلافت کے قیام میں ہے —— سید معین الدین شاہ

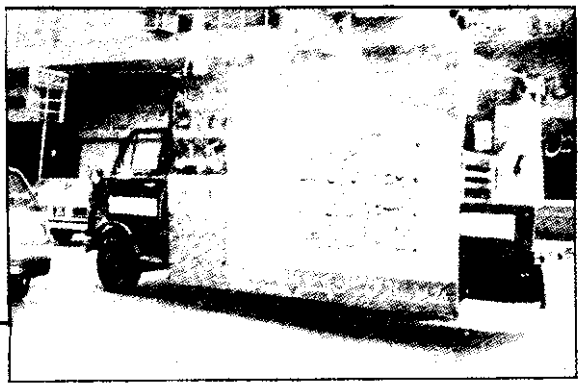

مزدا ٹرک جس پر سوار زعمائے تحریک نے ریلی کی قیادت کی

ریلی کی صف بندی سے پہلے شرکاء نے ایک نظم میں منسلک ہونے کا مظاہرہ کیا

ریلی پھر سے حرکت میں آتی ہے۔ ایبٹ روڈ سے ہوتی ہوئی لکشمی چوک میں پہلا پڑاؤ کیا گیا ہے یہاں تحریک خلافت کے ناظم اعلیٰ جنرل انصاری نے مائیک سنبھالا ہے۔ وہ بڑے دل نشین اور سادہ لیکن پر سوز انداز میں کہہ رہے ہیں کہ "میرے عزیز ہم وطنو! آپ کو ۴۷ واں یوم آزادی مبارک ہو۔ یہ دن جہاں خوشی منانے کا ہے، وہاں اس بات کا بھی تقاضا کرتا ہے کہ ہم سوچیں کہ جس مقصد کے لئے یہ ملک اللہ نے ہمیں دیا تھا کیا وہ مقصد ہم نے حاصل کر لیا ہے؟۔ کیا ہمارا عام آدمی امن اطمینان اور سکون کی حالت میں ہے؟ کیا ہمارے ملک کی بیرونی دنیا میں کوئی عزت ہے؟۔ اور کیا ہماری موجودہ سیاسی قوتیں ہم کو بے یقینی کے اس صحرا سے نکال سکیں گی؟۔ میں آپ کو اپنے تجربے کی روشنی میں بتاتا ہوں کہ انتخابات کے ذریعے سے موجودہ گلا سڑا نظام تبدیل نہیں ہو سکتا۔ بار بار چہرے بدل بدل کر وہی لوگ آئیں گے۔ قوم کی کسی واقعی فلاح کے لئے ضروری ہے کہ یہاں اللہ کا عطا کردہ نظام، نظام خلافت لایا جائے"۔

لکشمی چوک میں لوگ بڑے انہماک سے جنرل صاحب کی باتیں سن رہے تھے۔ خاص طور پر وہ جن پر اب تک لکشمی دیوی مہربان نہیں ہوئی، محروم یاں جن کا مقدر بن گئی ہیں اور ملک کے مستقبل سے مایوسی نے جنہیں اب بے حسی کی طرف راغب کر دیا ہے۔

اس کے بعد ریلی نسبت روڈ سے ہوتی ہوئی گوالمنڈی کے مچھلی چوک میں رکی۔ یہاں پر پرجوش لیکن ہوش مند مقرر نعیم اختر عدنان نے خطاب کیا۔ یہ علاقہ مسلم لیگ کا گڑھ ہے۔ کثیر تعداد میں کھڑے لوگ اس ریلی کو دیکھتے ہوئے نعیم اختر عدنان کی دلوں کو لگتی باتیں سن رہے ہیں کہ "اقبال نے جس پاکستان کا خواب دیکھا تھا اور وہاں جس نظام کی نوید اس امت کو دی تھی، وہ کہاں ہے؟ ہمارے ہاں مغربی جمہوریت جس

انداز سے آئی ہے' اس کے بارے میں اقبال نے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر

اس مغربی جمہوریت کے نتیجے میں امیر' امیر تر اور غریب' غریب تر ہوتے جا رہے ہیں حالانکہ اللہ نے تو ہمیں خلافت کا نظام عطا فرمایا تھا اور میں آپ کو حضور ﷺ کی پیشین گوئی سناتا ہوں کہ مستقبل خلافت کا ہے۔ ہمارے سیاسی قائدین چاہے وہ بے نظیر ہو یا نواز شریف' اسی موجودہ غلط نظام کی حمایت کرتے رہیں گے اور اس میں کوئی تبدیلی لانا انہیں گوارا نہیں ہے کیونکہ اگر اس نظام میں تبدیلی آگئی تو ان کے مفادات پر چوٹ لگے گی اور اسی لئے وہ اس غلط نظام کے "مامے" بنے ہوئے ہیں"۔

لوگ اس نوجوان اور پرجوش مقرر کی کھری کھری باتیں سن کر سر ہلا رہے ہیں۔ جونہی تقریر ختم ہوتی ہے' پاس کی ایک دکان سے ایک ترانہ کے بول سنائی دیتے ہیں۔

ساتھیو! مجاہدو! جاگ اٹھا ہے سارا وطن
آج مظلوم ظالم سے ٹکرائیں گے
سامراجی خداؤں پر چھا جائیں گے
ہر جری صف شکن یہ جواں تیغ زن
ساتھیو! مجاہدو! جاگ اٹھا ہے سارا وطن

یہاں سے ریلی موچی دروازہ کے سامنے سے سرکلر روڈ پر مڑتی ہے اور شاہ عالمی' لوہاری سے ہوتی ہوئی بھاٹی چوک پر آکر رکتی ہے جہاں سید معین الدین شاہ صاحب اپنے مخصوص انداز میں گفتگو کرتے ہیں۔ لوگوں کا ایک جم غفیر ان کی باتیں سن رہا ہے' وہ کہہ رہے ہیں:

بھائیو! میری ایک بات غور سے سن لو۔ ابھی جو کچھ اسمبلیوں میں ہوا ہے کہ ممبران اسمبلی رات کو ادھر اور دن کو ادھر ہوتے تھے تو اصل میں یہ تمہارے ہی کرتوت ہیں۔ برا مت ماننا' تم بھی تو صبح ایک طرف' دوپہر کسی کے ساتھ اور رات کو کسی تیسرے کی

نظام خلافت پاکستان کا مستقبل ہے جو نواز شریف کو پسند ہے نہ بے نظیر کو

—— نعیم اختر عدنان

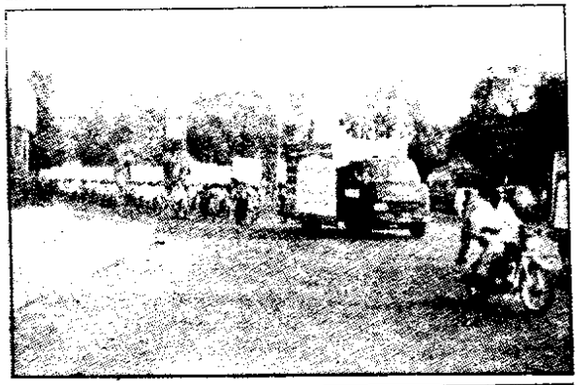

متحرک ریلی کے مختلف مناظر

حمایت کرتے ہو۔ یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جو تم پر وبال بن رہے ہیں۔ جان لو کان کھول کر سن لو' رسول ﷺ کا فرمان کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ ہمارے آقا کہتے ہیں "اعمالکم عمالکم" اگر آپ لوگ چاہتے ہیں کہ یہاں امن ہو' سکون ہو تو پہلے اپنے آپ کو ٹھیک کرو۔ اپنے چھ فٹ کے قد پر اللہ کی خلافت قائم کرو اور ساتھ ساتھ یہ جان لو کہ ہماری نجات نظام خلافت کے قیام میں ہے۔ کسی اور نظام چاہے وہ کوئی سا بھی ازم ہو اسمیں ہماری نجات نہیں ہے۔ یہاں پر فیاض حکیم صاحب نے ہجوم سے چند نعرے بھی لگوائے ہیں۔ نعرہ تکبیر اللہ اکبر' آئے گا' آئے گا' نظام خلافت آئے گا۔

یہاں سے ریلی ضلع کچہری سے ہوتی ہوئی ٹوئر مال اور پھر مال روڈ سے جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد پہنچی جو کہ اس ریلی کا آخری پڑاؤ تھا۔ نماز مغرب مسجد میں ادا کی گئی اور نماز کے بعد ناظم حلقہ لاہور مرزا ایوب بیگ صاحب نے مسجد میں نمازیوں سے خطاب کیا۔ خطاب کے بعد سیکریٹری تحریک خلافت پاکستان نے اجتماعی دعا کرائی اور یوں یہ ریلی اختتام کو پہنچی ○○

ایک سوال جس کے جواب میں کئی کہانیاں مستور ہیں

پاکستان کے آئندہ انتخابات.....ہوں گے بھی یا نہیں..؟

سٹیٹ بینک کی خود مختاری کے بعد منتخب حکومت کا قیام محض رسمی کاروائی ہوگی

محمد راشد حفیظ

بعض حلقوں کی جانب سے اس امر کا خدشہ ظاہر کیا جارہا ہے کہ شاید اکتوبر میں عام انتخابات کا انعقاد نہ ہو سکے۔ بادی النظر میں یہ ایک ناقابل یقین سی بات محسوس ہوتی ہے لیکن اگر اس کے سیاق وسباق پر اک نگاہ دوڑائی جائے تو بات کچھ ایسی انہونی نہیں رہتی۔

ابھی تک الیکشن کے بارے میں جو بھی غوغا کیا گیا ہے' اگر غور سے دیکھا جائے تو اس میں حکومت کی سطح پر صرف الیکشن کمیشن کے صف دوم کے افسران ہی کسی حد تک فعال نظر آتے ہیں جبکہ خود حکومت کے اعلیٰ عہدیداران کے بیانات اس ضمن میں تائیدی اور حوصلہ افزا دکھائی نہیں دیتے۔ چند روز ہوئے وزیر اعظم معین قریشی نے کشمیر کے تنازعے کے حل کے لئے ہر ممکن قدم اٹھانے کا ذکر کیا جو محض ایک نگران حکومت کے سربراہ کے طور پر ان کے کارہائے منصبی کا حصہ نہیں ٹھہرتا اور اب تو بھارت نے بھی اس کے جواب میں کہنا شروع کر دیا ہے کہ ہم سے کوئی سیاسی حکومت بات کرے۔ اسی طرح سابق حکومتوں کے دور میں بینکوں سے قرض لینے والوں' پلاٹوں کی الاٹمنٹ اور دیگر بے قاعدگیوں کے ذمہ داروں کے احتساب کا ذکر بھی اب واشگاف الفاظ میں سامنے آچکا ہے۔

دوسری طرف دونوں پارٹیوں کی الیکشن مہم کا بہ نظر غائر مشاہدہ کریں تو بہت سی چیزیں آنکھوں میں کھٹکتی ہیں۔ پی پی پی آج سے دو ماہ قبل فوری انتخابات کا مطالبہ کس شدت سے کر رہی تھی لیکن اب انتخابی اصلاحات کی گردان شروع کر دی ہے۔ یہ انتخابی اصلاحات خاص طور پر شناختی کارڈ وغیرہ کے سلسلے میں اور بوگس ووٹوں کے انخلا کے مطالبے کی صورت میں' انتخابات میں تاخیر کی باعث ہوں گی مثلاً نئے سرے سے ووٹرلسٹوں کی چھان بین تو تازہ مردم شماری کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے' وقس علی ہذا... لطف کی بات یہ تھی کہ ان کو زیر غور لانے کی یقین دہانی وفاقی وزیر کی طرف سے ہوئی ہے۔

خود پی پی پی نے ابھی تک اپنے انتخابی منشور کو حتمی شکل میں عوام کے سامنے پیش نہیں کیا جبکہ انتخابات کی مقررہ تاریخ میں ڈیڑھ ماہ بھی باقی نہیں۔

اسی طرح مسلم لیگ بھی اپنی الیکشن مہم میں سنجیدہ دکھائی نہیں دیتی اور ابھی تک جناب نواز شریف کے تمام بیانات اور تقاریر کا جوہر وہی پرانی گھسی پٹی "پی پی مخالف" پالیسی ہے جو ایک چلے ہوئے کارتوس سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی جبکہ منطقی بات یہ تھی کہ اسی ایشو کو سامنے لایا جاتا جس کی بنیاد پر نواز شریف نے پچھلے چند ہفتوں میں عوام کی ہمدردیاں جیتی تھیں یعنی ان کے اپنے بقول ملک کی خاطر اسٹابلشمنٹ کی جارحیت کے مقابلے میں انھوں نے اپنے عہدے کی قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کیا تھا۔ یہی وہ بنیادی ایشو تھا جو انہیں اٹھانا چاہیے تھا یا کم از کم زندہ تو ضرور رکھنا چاہیے تھا۔

ہر ذی شعور آدمی جانتا ہے کہ ان کی موجودہ پالیسی پارٹی کے ووٹ بینک کی بربادی کے مترادف ہے اور یہ اسی صورت میں اختیار کی جا سکتی تھی جب اصل قوت یعنی عوام کی ہمدردیاں جیتنے والے ایشو کو ریزرو میں رکھنا مقصود ہو اور ایسا صرف انتخابات کے انعقاد کا امکان معدوم ہونے کے صورت میں ہی ممکن تھا۔ دونوں بڑی پارٹیوں کے سیٹوں کی ایڈجسٹمنٹ کے معاملے پر اتفاق رائے سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

ساتھ ہی ملک میں بم دھماکوں کی ابتدا ہو چکی ہے۔ ہر چند کہ باخبر حلقوں کے مطابق اس کے شواہد مل چکے ہیں کہ ان دھماکوں میں "را" اور "موساد" کا ہاتھ ہے تاہم یہ سوال اپنی جگہ برقرار رہتا ہے کہ آخر ان سے ہنود اور یہود کا مقصود کیا تھا۔؟

اسی طرح پچھلے چند روز سے کشمیر کے محاذ پر بھارتی افواج سے براہ راست جھڑپوں کی خبریں بھی متواتر آرہی ہیں۔ ان سب مناظر کو اگر ایک ہی کینوس پر جمع کر کے عالمی سیاسیات اور اقتصادیات کے تناظر میں دیکھا جائے تو حقیقت بہت حد تک اجاگر ہونے لگتی ہے۔

آئی ایم ایف کا پاکستان کے لئے بنیادی طور پر ایک ہی ٹارگٹ رہا ہے یعنی پاکستان پر واجب الادا بے پناہ سود میں سے کچھ نہ کچھ وصول کرتے رہنا۔ اس ٹارگٹ کے حصول کے لئے ہر بجٹ کے موقع پر اس کی جانب سے نت نئے ٹیکس لگانے اور سابقہ شرحوں کو بڑھانے کا دباؤ ہوتا ہے۔ نج کاری کا عمل بھی اسی مقصد کے لئے شروع کرایا گیا تھا کہ ملک کے اثاثوں کی فروخت سے وصول ہونے والی دولت سود کی مد میں ان کو ادا کی جا سکے۔ اس کا دوہرا فائدہ تھا' ایک طرف ملکی اثاثے ملٹی نیشنل کمپنیوں کی آڑ میں عالمی یہودی بینکوں کو منتقل ہو جاتے اور دوسری طرف اس کی قیمت بھی "گٹھلیوں کے دام" کی صورت واجب الادا روز افزوں سود کے عوض واپس انہی کی دوسری جیب میں پہنچ جاتی۔ اس سارے عمل کا طریقہ یہ تھا کہ عوام کا ذہن اس کے حق میں ہموار کرنے کے لئے ابتدائی اثاثوں کے خریدار ملک کے اندر ہی تلاش کئے جاتے تھے تاکہ عوام پرائیویٹائزیشن کے خوگر ہو جائیں اور ملکی دولت کے ملٹی نیشنل کی آڑ میں غیروں کے ہاتھوں میں منتقل ہوتے وقت انہیں اچنبھا نہ ہو۔ لہٰذا چند اثاثے ملک کے اندر ہی پرائیویٹائز کئے گئے۔ گو کہ یہ عمل آئی ایم ایف کی آشیرباد سے ہی شروع ہوا تھا لیکن جب مبینہ طور پر تیس ارب مالیت کا اثاثہ ملی بھگت سے محض تین ارب میں فروخت ہوا تو آئی ایم ایف میں بھی "دوڑو' پکڑو" کی بھگدڑ مچی۔ اب ان کے پاس اس کے سوا کوئی حل نہ تھا کہ نواز حکومت کو کسی طرح

چلتا کیا جائے۔ دوسری طرف بہت سی آف دی ریکارڈ کرنسی کو گزشتہ دسمبر اور جنوری میں ملک میں جاری کر دیا گیا۔ افراط زر میں اضافہ ہوا اور آئی ایم ایف کی منظوری کی ڈھنڈیا پڑی تو اس کو ریکارڈ پر لانے کے آئی ایم ایف کے دباؤ کے جواب میں بھی سابقہ حکومت اپنی مینڈیٹ کی مجبوری کی وجہ سے پس و پیش سے کام لیتی رہی اور قیمت کو گرانے پر رضامند نہ ہوئی لہٰذا اس ضرورت کے لئے بھی انہیں اپنی مرضی کی حکومت لانے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے وزیر اعظم معین قریشی اور گورنر سٹیٹ بینک براہ راست آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی عطایا میں سے ہیں۔

اب آئی ایم ایف کا ٹارگٹ اس پرائیویٹائزیشن کے عمل کو اسی منزل کی طرف گامزن کرنا ہے جو حقیقی مقصد کا درجہ رکھتی ہے یعنی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے نام سے اثاثوں کی ملکیت ان یہودی بینکاروں کے نام حاصل کی جائے جو ان کمپنیوں کی پشت پر ہوں گے۔ اس عمل کی ابتدا پی ٹی سی سے ہو چکی ہے اور واپڈا' ریلوے وغیرہ کو آئندہ اس کا شکار ہونا ہے جس کا اندازہ پچھلے دنوں کراچی میں ہونے والی شدید اور طویل لوڈ شیڈنگ سے ہوتا ہے۔ اس کی کوئی معقول وجہ تک بتائی نہیں گئی لیکن یہ سب کچھ دراصل عام آدمی کو یہ باور کرانے کے عمل کا حصہ تھا کہ یہ سب کچھ تمہارے مفاد میں ہے کیونکہ پرائیویٹ سیکٹر یعنی ملٹی نیشنل کی ملکیت و اختیار میں پہنچ کر ان محکموں کا نظام بہتر ہو جائے گا اور بدقسمتی سے حقیقت بھی یہی ہے۔ اب انسانیت کو آئی ایم ایف اور اقوام متحدہ کے لیبل کی آڑ میں صیہونیت کی غلامی کرنا ہے۔ سٹیٹ بینک آف پاکستان کے خود مختار کئے جانے کا دھماکہ ہر ذی شعور کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے کیونکہ اس صورت میں خواہ کوئی بھی پارٹی برسر اقتدار آ جائے' اس کے ہاتھ بالکل بندھے ہوئے ہوں گے اور غلامی کا تو اصول ہی یہ ہے کہ اس میں کوئی امیر' جاگیردار یا طاقت ور نہیں رہنے دیا جاتا اور رتبہ یا قدر (مارکیٹ ویلیو) کا تعین نسل یا علاقہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ کارکردگی اور محنت پر ہوتا ہے۔ اس اصول کی صداقت وہ لوگ با آسانی محسوس کر سکتے ہیں جو پی ٹی سی سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اب اس محکمے میں رشوت' بدعنوانی اور اقربا پروری کی فراوانی پہلے جیسی نہیں رہی اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ یونہی نہیں ہو گیا۔ یہ دیگر محکموں کے متاثرہ عوام کو ملٹی نیشنل کے حق میں ہموار کرنے کے عمل کی ابتدا ہے اور اس کی ضرورت زیادہ شدت سے اس وقت محسوس ہوئی تھی جب واپڈا کی نج کاری کا معاملہ کچھ عرصہ پہلے ہمارے حکومتی ایوانوں میں ایک ایسی چنگاری کی صورت اختیار کر گیا تھا جس کو بھڑکنے کے لئے تازہ ہوا میسر آ گئی ہو۔ حتیٰ کہ ایوان میں سنائی دینے والی بازگشت میں ہماری عدلیہ کے چند معزز جج صاحبان تک کی آواز بھی شامل ہو گئی تھی۔

اب نج کاری کے عمل کو تحفظ دینے کا منطقی راستہ بھی یہی ہونا چاہیے کہ کسی طرح انتخابات میں تاخیر ہو جائے تاکہ غیر جانبدارانہ نتائج کی صورت میں بننے والی حکومت اس عمل کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ اس تناظر میں دیکھنے پر محسوس ہوتا ہے کہ یا تو انتخابات ہی نہیں ہوں گے اور اگر ہوئے بھی تو اس میں اسی پارٹی کو کامیاب کرایا جائے گا جس کے ساتھ معاملہ پہلے سے طے کیا جا چکا ہو گا خواہ یہ پارٹی کوئی نام نہاد دینی جماعت' محاذ یا فرنٹ وغیرہ ہی ہو بلکہ مرتضیٰ بھٹو یا اس جیسے کسی دوسرے نوزائیدہ سیاستدان کی ہی کیوں نہ ہو۔

اس ضمن میں دو اور اہم امور بھی آئی ایم ایف کی دخل اندازی کے منتظر ہیں۔ ایک زرعی ٹیکس اور دوسرے دفاعی اخراجات میں کمی۔

ان میں سے زرعی ٹیکس ایک ایسا معاملہ ہے جو اس وقت تک ظہور پذیر نہیں ہو سکتا جب تک اسمبلیوں سے وڈیروں اور جاگیرداروں کی اجارہ داری ختم نہ ہو اور اس کا طریقہ یا تو متناسب نمائندگی کا نظام ہو سکتا تھا یا انتخابات میں شدید دھاندلی۔ اب چونکہ متناسب نمائندگی کی تجویز کو مسترد کیا جا چکا ہے لہٰذا مخلصانہ انتخابات کی ممکنات کم دکھائی دینے لگی ہیں۔

پاکستان میں فیوڈل ازم یا جاگیرداری کا نظام اب آئی ایم ایف کی ضرورت نہیں رہا۔ اب جبکہ یہ ادارے خود اقتدار پر براہ راست قابض ہونے جا رہے ہیں تو اپنے اور اپنے غلاموں یعنی پاکستانی عوام کے درمیان رابطے کے راستے پر متعین کسی سانپ کو "دودھ پلانے" کی زحمت کیوں اٹھائیں۔!..... چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس مرتبہ یوم آزادی کے تھیلے سے جو سب سے بڑی بلی باہر آئی اس کا نام نیا اقتصادی پیکج ہے اور اس میں زرعی آمدن پر ٹیکس لگانے کا دھماکہ کر دیا گیا ہے۔ یہ خبر جاگیرداروں کے پاؤں تلے سے زمین نکالنے کے مترادف ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ اپنی طاقت کے سرچشمہ کو بچانے کے لئے حسب توفیق اپنے اپنے جوڑ توڑ لڑائیں گے مگر چونکہ سامنا صیہونیت کی ہیبت ناک بلا سے ہے لہٰذا ان کے پروں کا کٹنا اب شاید ان کا مقدر ٹھہر چکا ہے جس کی ابتدا بلدیاتی اداروں کے توڑے جانے کی صورت میں ہو بھی چکی ہے۔ بیوروکریسی میں اندھا دھند تبادلوں کی آڑ میں جاگیردارانہ پس منظر رکھنے والے اعلیٰ سرکاری عہدے داروں کے ہاتھ باندھے جانے کی ابتدا ہو چکی ہے اور کچھ عجب نہیں کہ اوپر کی سطح پر انگلیاں ٹیڑھی کی جائیں تو مزاحمتی کرداروں کو اپنی ملازمتوں سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں' حتیٰ کہ بڑی بڑی زرعی زمینوں کو قومی تحویل یا کسی دوسرے نو ایجاد قانون کے تحت غصب کر لیا جائے جو کہ بعد میں کسی وقت کسی دوسرے بہانے سے ملٹی نیشنل کے لیبل والی جیب میں ڈال لیا جائے۔

اسی طرح دفاعی اخراجات میں کمی کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ مسئلہ کشمیر ہے اور اس سے ہماری عارضی نگران حکومت کی دلچسپی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ مسئلہ کشمیر کا بکھیڑا نمٹائے بغیر نگران حکومت سبکدوش نہیں ہونے دی جائے گی بلکہ بہت ممکن ہے کہ اسی ایشو کو انتخابات کے التوا کا جواز بھی بنایا جائے خاص طور پر ایسے وقت میں جب بھارتی افواج کو سرحدوں پر پھنکارتے رہنے کے احکامات بھی دلوائے جا چکے ہوں۔

یہاں ایک سوال ابھرتا ہے کہ اگر انتخابات کو ملتوی کیا گیا تو عوام چونکہ ذہنی طور پر اس کے لئے تیار ہو چکے ہیں لہٰذا اس دھچکے کے نتیجے میں ملک میں امن و امان کی حالت بگڑ سکتی ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ خانہ جنگی کی سی کیفیت پیدا ہو سکتی ہے تو شاید مبالغہ نہ ہو گا' تو کیا یہ صورت حکومت کے لئے گوارا ہو گی۔؟

اس کا مختصر جواب تو یہی ہے کہ ہاں گوارا ہو گی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اسی مقصد کے لئے ہی یہ عمل وقوع پذیر کرایا جائے گا کیونکہ ممکنہ خانہ جنگی بھی اسی پالیسی کا حصہ ہے جو یہود کی طرف سے ایک عالمی حکومت کے قیام کے لئے وضع کی گئی ہے۔ تفصیلی جواب کے لئے ہمیں قدرے وسیع ترکینوس پر اس عالمی صیہونی حکومت کو دیکھنا ہو گا جو گریٹر اسرائیل کے نام سے آج سے چار سال بعد وجود میں لائی جانے والی ہے' جس کو ماضی میں نیو ورلڈ آرڈر کا نام بھی دیا جاتا رہا ہے اور امریکی ہفت روزہ ٹائم کے مطابق اس کا صدی کے آخر میں جشن بھی منایا جانا ہے۔ اسی منظر میں پاکستان میں اسرائیلی تخریب کاری یعنی موساد کی طرف سے ہونے والے بم دھماکوں کا جواز بھی فراہم ہو گا۔

اس صدی کے اوائل میں یہودی قیادت کے ایک منصوبے کا انکشاف ہوا تھا جس میں عالمی غلبہ یہود کے بنیادی خدوخال اور خطوط اجاگر کئے گئے تھے۔ پروٹوکولز کے نام سے شائع ہونے والی اس کتاب میں علامتی زبان میں بیان کئے گئے اس صیہونی منصوبے کے متشکل ہونے

کا وقت اب بالکل قریب محسوس ہو رہا ہے۔ آج عالمی اقتصادیات پر یہود کا مکمل تسلط ہے۔ عالمی بنیادی کرنسی یعنی امریکی ڈالر کو جاری کرنے والا ادارہ فیڈرل ریزرو بینک آف امریکہ کا حکومت امریکہ سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ ایک نجی ادارہ ہے جس کی خود امریکی حکومت بھی بہت زیادہ مقروض ہے۔ یہ ادارہ یہود کی ملکیت ہے اور حکومت امریکہ کے نامزد کردہ گورنر کی حیثیت یہاں ایک "ربڑ سٹیمپ" سے زیادہ نہیں ہوتی۔ اسی طرح آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے قوانین اس طرح ترتیب دیے گئے ہیں کہ ووٹ کا حق جمہوری اصول یعنی فی ممبر فی ووٹ کی بجائے ڈپازٹ کی مقدار پر رکھا گیا ہے۔ یعنی جتنا ڈپازٹ اتنے فیصد ووٹ۔ چنانچہ ان دونوں عالمی مالیاتی اداروں پر یہود کا ناقابل شکست تسلط ہے اور تمام کلیدی عہدوں پر وہی بااختیار ہیں۔ (یاد رکھنا چاہیے کہ یہودی مذہب دراصل ایک نسل (بنی اسرائیل) کا نام ہے جو اپنے آپ کو دنیا کے تمام انسانوں سے افضل سمجھتی ہے اور غیر یہودیوں کو جنٹائل یعنی حیوانات کہہ کر پکارتی ہے۔ یہودیت کے دروازے میں دنیا کا ہر آدمی دیگر مذاہب کی طرح جب چاہے داخل نہیں ہو سکتا۔ یہ منصوبہ جو ہمارے زیر نظر ہے اس کے بارے میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ یہ دنیا کے تمام یہود کا مرتب کیا ہوا نہیں بلکہ خاص یہودی قیادت "صیہونیت" کا ہے اور عام یہودیوں کو تو شاید اس کی ہوا بھی نہ لگنے دی گئی تھی۔)

دنیا کی بلیک منی (کالا دھن) کے پول ان (مجتمع) ہونے کا مرکز دنیا بھر میں صرف ایک ہے' سوئزرلینڈ کے خفیہ نمبری اکاؤنٹ والے بینک۔ یہ بینک بھی ایک یہودی گروپ کی ہی ملکیت ہیں جس کی کرتا دھرتا فیملی راس چائل کا سربراہ ایولن راس چائل اسرائیل کا سب سے بڑا فنانسر بتلایا جاتا ہے۔ دنیا کی بلیک منی پر یہی اجارہ داری یہود کی قارونیت کی اصل بنیاد ہے اور اس اجارہ داری میں کسی قسم کی شراکت ان کے لئے قابل برداشت نہیں ہے۔ بی سی سی آئی کی تباہی کی اصل وجہ یہی ہے کہ یہ بینک بلیک منی کا ایک دوسرا مرکز بننے کی پوزیشن میں آتا جا رہا تھا۔

اس اقتصادی غلبہ کی منزل تک یہ لوگ کیسے پہنچے۔؟... اس کے مختلف مدارج اور تاریخی شواہد کے تجزیے کی تفصیل یہاں ممکن نہیں' مختصراً یوں سمجھیے کہ ان کا سب سے بڑا ہتھیار ایسی کاغذی کرنسی تھی جس کی قیمت جب چاہے کم کی جا سکتی ہو۔ دوسرا ہتھیار عالمی میڈیا تھا جس پر انہوں نے سب سے پہلے تسلط حاصل کیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آج تقریباً تمام قابل ذکر عالمی ذرائع ابلاغ پر انہی کا تسلط ہے۔

ان دونوں ذرائع کی مدد سے آج کے قارون نے انسان کو اپنا مقروض کیا جس کی جکڑبندیاں سود اور پھر سود در سود کی شکل میں شدید تر ہوتی چلی گئیں۔ دنیا میں دو سپر طاقتوں کو وجود میں لانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ اقوام کو آپس میں متحارب کروا کے انہیں مقروض کیا جا سکے۔ یہ مقصد اب پورا ہو چکا ہے' یہود اقتصادی تسلط حاصل کر چکے ہیں چنانچہ اس ڈرامے کو ختم کر دیا گیا ہے۔ ماہرین ثابت کر چکے ہیں کہ بالشویک انقلاب کے پس پردہ بھی یہودی ہاتھ کارفرما تھا اور اب سوویت یونین کی شکست و ریخت بھی انہی کی مرہون منت ہے۔ ان سب امور کی تفصیل آپ انہی صفحات میں میرے سابقہ مضامین میں ملاحظہ فرما چکے ہیں یہاں صرف یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ اب ان کا ٹارگٹ اس حاصل شدہ عالمی اقتصادی غلبے کو باقاعدہ قانونی عالمی غلبے یا بالفاظ دیگر عالمی سپریم گورنمنٹ کی شکل میں منتقل کرنا ہے یعنی "قارون" کو اب "فرعون" بننا ہے اور اسی لئے انہوں نے گریٹر اسرائیل کے نام سے مشرق وسطیٰ میں اس کے مرکز کی منصوبہ بندی کی ہے تاکہ دنیا کا واحد خزانہ جو ابھی تک براہ راست ان کے تسلط میں نہیں ہے یعنی مشرق وسطیٰ کا تیل' وہ بھی ان کے کنٹرول میں آ جائے۔

پروٹوکولز نامی خفیہ عہد ناموں سے جن پر یہودی ہائی کمان نے ۱۸۹۷ء میں دستخط کئے تھے' واضح ہوتا ہے کہ اس منصوبے کو سو برس میں مکمل ہونا تھا۔ اب اس کے چھیانوے برس کے بعد ہم دیکھ رہے ہیں کہ گریٹر اسرائیل کی شہریت دنیا کے تمام یہود کو دے دی گئی ہے اور مختلف جگہوں سے یہود نے وہاں نقل مکانی بھی شروع کر دی ہے۔ دوسری طرف مشرق وسطی کے بارے میں تیل کے ماہرین کی رائے یہ ہے کہ یہ تیل تیزی سے ختم ہو رہا ہے اور اس کی بقایا عمر ایک تجزیے کے مطابق تیس سے پچاس برس کے درمیان ہے۔ ان شواہد سے ہویدا ہے کہ یہود اس منصوبے کو عملی شکل دینے میں زیادہ انتظار نہیں کریں گے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ امریکی فوج جس کی کمان یہود کے ہاتھوں میں ہے آج بھی کافی تعداد میں سعودی عرب میں موجود ہے اور وقتاً فوقتاً عراق پر مشق ناز کرتی رہتی ہے۔

اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا راستہ یہی ہو سکتا ہے کہ مشرق وسطیٰ میں تیسری عالمی جنگ لڑی جائے اور مسلمانوں سے یہ علاقہ بزور قوت چھینا جائے اور یہ کام یہود کی کمزور افرادی قوت اور نسلی بزدلی کی وجہ سے براہ راست ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ اس کے لئے یوں منصوبہ بندی کی گئی ہے کہ ایک طرف مسلمانوں کو حربی لحاظ سے کمزور کیا جائے اور دوسری طرف سائنسی اسلحہ سے لیس مغربی عیسائی دنیا کو ان نہتے مسلمانوں سے دست و گریباں کر دیا جائے۔ تب پہلے مقصد کے لئے عراق ایران اور پھر عراق کویت لڑائی کی صورت میں کمر توڑی گئی اور یوں دکھائی دیتا ہے کہ یہی پالیسی اب یہاں بھی بھارت سے جنگ' داخلی خانہ جنگی' عدم استحکام اور بدامنی وغیرہ کے ذریعے عمل میں لائی جائے گی چنانچہ ایک سیاسی پارٹی میں سے قربانی کا بکرا اور دوسری میں سے پھندے کے ناپ کی گردن کا تعین ہونا شروع ہو گیا ہے۔ اب تک تین انتخابی امیدواروں کو قتل کیا جا چکا ہے۔ دوسری طرف اسلامی بم کا واویلا دوسرے مقصد کے زمرے میں آتا ہے۔ اس مقصد کے لئے بنیاد پرستی کے نام سے عالمی برادری کے ذہنوں میں مسلمانوں سے نفرت کو ہوا دی جا رہی ہے۔ اور تخریب کاریاں کروا کر الزام مسلمانوں کے سر تھوپے جا رہے ہیں۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر نیویارک میں ہونے والا بم دھماکہ اس کی ایک عمدہ مثال تھی۔ چند اسی نوعیت کے مزید واقعات کے ذریعے مثلاً سلمان رشدی یا کسی اور ملعون کے قتل یا کسی بھی تخریب کاری کا الزام مسلمانوں پر دھرتے ہوئے جوابی ردعمل کی آڑ میں مذہبی منافرت کی آگ بھڑکائی جا سکتی ہے۔ جب لوہا گرم ہو جائے تو مسجد اقصیٰ کے انہدام کی حتمی ضرب لگائی جائے۔ ظاہر ہے کہ اس پر دینی تشخص کے حامل مسلمان جو پہلے ہی گرم لوہے کا ایک حصہ بنائے جا چکے ہوں گے' خود پر قابو نہ رکھ پائیں گے خاص طور پر اس صورت میں جب مدینہ منورہ کو گریٹر اسرائیل کے نقشے میں دکھایا جا رہا ہو۔ مختصر یہ کہ اس عالمی صیہونی حکومت یعنی نیو ورلڈ آرڈر کے لئے بنیادی تعمیر ہو چکی ہے اور اب میڈیا کے ذریعے اس کے لئے انسانیت کے ذہنوں کو ہموار کرنے کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ اس عمل میں یہود کی ذیلی تنظیم فری میسن سرگرم ہو چکی ہے۔ سب سے پہلے سی این این سے ایک لفظ "انٹرنیشنل ازم" بلاسٹ کیا گیا۔ اس کی تائید دنیا میں پھیلے ہوئے فری میسن کے مختلف آلہ کاروں نے جو اس تنظیم کے ممبر کہلاتے ہیں اور درحقیقت اس تنظیم کی یہودی قیادت کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی ہوتے ہیں' کرنا شروع کی۔ مثال کے طور پر بھارت کے فلمی اداکار دلیپ کمار نے اس کی تائید میں ایک بیان جاری کیا۔ اس کے چند ہی روز کے بعد بھارت کے صدر ڈاکٹر شرما نے لفظ نیو ورلڈ آرڈر کے ساتھ گلوبل ڈیموکریسی کا عنوان منسلک کیا۔ اب دنیا بھر میں فری میسن صحافی اور

ناقدین انسانی ذہن کو اس کے حق میں ہموار کرنے کے لئے اس کی تائید میں شور بلند کرنے والے ہیں جس کا اظہار اکا دکا انداز میں ہونا شروع بھی ہو گیا ہے اور یقیناً کچھ ہی عرصہ میں میڈیا پر زور پکڑ جائے گا۔

بنیادی کرنسی جو ابھی تک امریکی ڈالر ہے اور جس سے امریکہ کے سپر پاور ہونے کی ہمیں غلط فہمی بھی ہونے لگتی ہے' سے ملک کا نام اور تشخص ختم کر دینے کا ڈرامہ بھی یوروڈالر کے نام سے شروع ہو چکا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ بنیادی کرنسی ایسی ہو جس پر کسی ملک کا تشخص نہ ہو اور یہ براہ راست بینک کے کنٹرول میں ہو تاکہ اسے دنیا کے کسی بھی خطہ سے آپریٹ کیا جا سکے۔ یوروڈالر کے جو براہ راست راس چائل کے اختیار میں ہو گا' منصہ شہود پر آنے کا سال ۹۸-۱۹۹۷ء ہے جو کہ عظیم تر اسرائیل کے وجود میں آنے کا سال بھی ہے' وہ گریٹر اسرائیل جس کا یہودی لابی کے امریکی ہفت روزہ "ٹائم" کے مطابق ۲۰۰۰ء میں اہرام مصر کے سامنے جشن بھی منایا جانا ہے۔

ایک اور چیز جو نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ آج کل دنیا بھر میں امریکہ کے خلاف لکھنے' بولنے کو پذیرائی دی جا رہی ہے یہ دراصل اس منصوبے کا حصہ ہے کہ گریٹر اسرائیل کے قیام کے وقت جب امریکی ڈالر کی جگہ یوروڈالر کو لایا جائے گا تو لازم ہے کہ امریکہ کی حیثیت سپر پاور کی نہ ہو اور یہ تبھی ممکن ہے جب آج کا انسان امریکہ کی تباہی کے منظر کا پہلے سے ہی متمنی ہو چکا ہو چنانچہ دنیا بھر میں "میڈیا مینوفیکچرڈ" ایجنٹوں کو فرعونیت کے اس نقلی لیبل یعنی امریکہ کے خلاف زہر اگلنے کا حکم دے دیا گیا ہے پاکستان میں آپ کو سیاست اور صحافت کے میدانوں میں اس کی بہت سی مثالیں مل جائیں گی۔

اس پراپیگنڈے کے خاطر خواہ نتائج حاصل کر لینے کے بعد کا طریقہ بالکل سیدھا سادھا ہے۔ فیڈرل ریزرو بینک آف امریکہ جو یہود کی ملکیت ہے' اپنے اثاثے سونے میں منتقل کرتے ہوئے ڈالر کی قیمت یک لخت بہت زیادہ کم کر دے گا یا دستبردار ہو جائے گا۔ اس کے نتیجے میں امریکہ میں تاریخ کا شدید ترین اقتصادی بحران برپا ہو گا جس کے بعد ریاستیں خود مختار ہو جائیں گی اور تب انسانیت کو یوں باور کرایا جائے گا کہ دنیا میں حقیقی امن تو اب قائم ہوا ہے۔ تب رد عمل میں ہر دو طرف سے اسرائیل کے قیام کے لئے خود بخود زمین ہموار ہونا شروع ہو جائے گی۔ امریکہ میں اس صورت حال کے آثار کلنٹن کی الیکشن مہم کے وقت ہی نمودار ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اور اب تو بوسنیا وغیرہ کے حوالے سے اقتصادی مشکلات کا رونا حلق پھاڑ پھاڑ کے رویا جا رہا ہے۔

اس سارے منظر میں پاکستان کو دیکھنے پر یہی پتہ چلتا ہے کہ پاکستان بنیاد پرستی کے حوالے سے یہود کے لئے اسلامی دنیا میں سوڈان کے بعد سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ بابری مسجد کی شہادت کا مقصد دراصل یہی تھا کہ اسلامی دنیا اور خاص طور پر پاکستان میں بنیاد پرستوں کی تعداد کا اندازہ کیا جا سکے۔

اب ان کو خطرے کی جھنڈی دکھائی دینے لگی ہے لہٰذا پروگرام یوں بنایا گیا ہے کہ ایسا ایک پلیٹ فارم ڈیویلپ کیا جائے جس کی مرکزی شخصیت کی چال ڈھال' انداز و اطوار تو بنیاد پرستوں جیسے ہوں لیکن اس کی گفتار و کردار کا بنیاد پرستی سے دور کا بھی تعلق نہ ہو۔ اس شخصیت کے گرد ملک کے فنڈامنٹلسٹ طبقہ کو ہانک دیا جائے تاکہ رد عمل میں اس طبقہ کے سارے جذبے اور جوش و خروش ٹامک ٹوئیوں اور ٹھوکروں کی شکل میں منتج ہونے لگیں حتیٰ کہ بنیادی فلسفہ یعنی دین کی محبت کے لئے دلوں میں کوئی جگہ نہ رہے.... اس کسوٹی پر ابھرنے والی شخصیت کو تلاش کرنے کے لئے ہم اگر نظریں اٹھائیں تو ایک چہرہ اچھل اچھل کر سامنے آتا ہے' قاضی حسین احمد کا چہرہ۔ ان کے حسب ہدایت کردار نبھانے کی بھرپور تائید ان کی حالیہ امریکہ مخالف زہر فشانی سے ہوتی ہے۔ (یاد رکھنا چاہیے کہ اس زہر فشانی میں حقیقی فرعون یعنی اسرائیل اور یہود کا کوئی ذکر نہیں ہوتا۔) اسلامی فرنٹ کی بے پناہ شاہ خرچیاں بھی جن میں کروڑوں روپے کے تو صرف اخباری اشتہارات ہیں' سی آئی اے کے ڈالر کا بھاؤ اور بہاؤ واضح کر رہی ہیں۔

اس عمل کے ساتھ ہی پاکستان کے دفاعی اخراجات کم کرنے کے لئے کشمیر کا مسئلہ بھی ہمیشہ کے لئے ختم کیا جا سکتا ہے تاکہ ان اخراجات پر اٹھنے والی رقم بھی آئی ایم ایف ہڑپ سکے۔ الیکشن منسوخ کئے جانے کی صورت میں جاگیردار طبقہ اس ایشو کو اپنے مقاصد کے لئے ہاتھ پاؤں مارتے وقت اٹھائے گا تو امن و امان کی مصنوعی ابتری پیدا کر کے اس صورتحال کو باآسانی داخلی عدم استحکام کی صورت دی جا سکتی ہے۔ تب پھر ملکی سلامتی کے لیبل کی آڑ میں انتظامی ڈھانچے میں اقوام متحدہ کا عمل دخل براہ راست شروع کرایا جائے گا تو کشمیر کے ایک ایسی خود مختار ریاست کی صورت اختیار کر لینے کی راہ خود بخود ہموار ہو جائے گی جو براہ راست اقوام متحدہ کے تحفظ میں ہو گی' اور اقوام متحدہ جیسا کہ ہم سمجھتے ہی ہیں' اس عالمی صیہونی تسلط کے ڈرامے میں یہود کا ہی ایک مہرہ ہے۔ یہاں بھارت اسرائیل گٹھ جوڑ کے مبادیات کو سمجھنا بھی چنداں دشوار نہیں رہتا۔ جو کام مشرق وسطیٰ میں گریٹر اسرائیل خود کرے گا' یہاں بھارت اس کے نمائندے کی حیثیت سے انجام دے گا۔

اس ساری گھٹاٹوپ تاریکی میں روشنی کی کرن خود وزیر اعظم معین قریشی کی ذات ہے۔ قصور سے تعلق رکھنے والے جانتے ہیں کہ معین قریشی جس گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں اس کے نام سے ہی ان کا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے۔ ان کے دادا اور والد کی دینی خدمات آج بھی لوگوں کے سینوں میں نقش ہیں۔ ان کے دادا کے نام پر اب بھی قصور کی ایک بستی کا نام معروف ہے۔ ان تمام باتوں کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں ہے مختصراً صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ معین قریشی نے جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی وہ دین سے بے پناہ محبت کا ماحول تھا اور یقیناً اس فضا کا ہلکا سا پرتو ان کی شخصیت کے کسی گوشے میں اب بھی موجود ہو گا۔ عمر کے اس حصے میں اور خاص طور پر کسی مہلک مرض کا شکار ہونے کے بعد کسی شخص سے یہ توقع بھی نہیں کی جا سکتی کہ اس کے دل میں دنیاوی تعیشات کی محبت جگہ پائے ہوئے ہو گی۔ ان حالات میں اگر یہ کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہو گا کہ وزیر اعظم معین قریشی اپنے تمام تر آئی ایم ایف گزیدہ ماضی سے قطع نظر ایک ایسی شخصیت ہیں جو اگر صدارتی امیدوار نہیں بھی ہیں تو بھی دین کی محبت میں آگر کم از کم پاکستان کی سطح پر یہود کے اس منصوبے کو کسی بھی وقت سبوتاژ کر سکتے ہیں اور غیر جانبدارانہ انتخابات کے ذریعے وطن عزیز کو ممکنہ خانہ جنگی اور طوائف الملوکیت کے طوفانوں سے یا ملٹی نیشنل ناہی اژدھوں سے بچا کر فلاح کی راہ پر ڈال سکتے ہیں۔ البتہ اس میں اتنی احتیاط ضروری ہے کہ الیکشن سے پہلے کم از کم ڈیڑھ ماہ تک مکمل امن و امان کی فضا قائم رہے۔ حکومت کی طرف سے نت نئے اقتصادی یا انتظامی شوشے نہ چھوڑے جائیں تاکہ عوام یکسو ہو کر کسی بھی ایک پارٹی کو واضح مینڈیٹ دینے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو سکیں۔ بصورت دیگر انتخابات ہوئے بھی تو ان کا نتیجہ ملک کے حق میں مہلک ثابت ہو سکتا ہے۔ کوئی پارٹی واضح برتری حاصل نہیں کر پائے گی اور نتیجے میں ایک ایسی لولی لنگڑی حکومت قائم ہو گی جو قدم قدم پر امریکہ اور آئی ایم ایف یعنی صیہونیت کی بیساکھی کی محتاج ہو گی اور یہ عمل دراصل وطن کو ویسے ہی ہاتھوں میں واپس دے دینے کے مترادف ہو گا جن سے ۱۹۴۷ء میں ہم نے آزادی حاصل کی تھی۔

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت پاکستان انتخابی سیاست میں فریق نہیں

ہمیں نواز شریف سے ہمدردی ہے

نہ بے نظیر سے عداوت

"ندائے خلافت" کے مستقل سیاسی تجزیہ نگار کو کوئی لہر بہا کر لے گئی ہے

ابو عمیر مہرانی

"ندائے خلافت" کے شمارہ نمبر ۱۴ بابت ۱۶ اگست ۹۳ میں محترم عبدالکریم عابد صاحب کا سیاسی تجزیہ نظر سے گزرا۔ فاضل تجزیہ نگار میدان صحافت میں وسیع تجربے اور اپنی نظریاتی وابستگی کے باعث ایک مقام و مرتبہ رکھتے ہیں۔ ملک کے عمومی حالات پر ان کے تجزیئے دوراندیشی پر مبنی ہوتے ہیں چنانچہ ہم موصوف کی اصابت رائے کے معترف ہیں لیکن ملک کے دو بڑے سیاسی قائدین کے ذاتی اوصاف و نقائص پر موصوف کی جانبدارانہ تقابلی رائے سے ہمیں اختلاف ہے جسے مرتب شکل میں پیش کرنے کی جسارت کی جارہی ہے۔

اپنے اصل موضوع کی طرف آنے سے قبل ہم چند بنیادی اور اصولی امور کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں جن کی روشنی میں ہماری رائے کو سمجھنا آسان ہو جائیگا۔

اسے ہماری ملکی صحافت کی بدقسمتی ہی کہا جائیگا کہ ہفت روزہ اور ماہانہ جرائد کی اکثریت بالعموم کسی نہ کسی سیاسی جماعت سے وابستہ ہوتی ہے جس کے باعث اسے ہر صورت میں اپنی حامی جماعت کی جائز و ناجائز حمایت کرنا ہوتی ہے نیز اسے حق بجانب اور مقبول ترین جماعت ثابت کرنا اپنا اولین فریضہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح مخالف جماعت کی برائیاں تو برائیاں' اچھائیوں کو بھی برائیاں بنا کر پیش کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کی جاتی اور اسے ہر صورت میں ملک دشمن اور غیر مقبول پارٹی ثابت کرنے کا عمل اصول کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

یہ بجا ہے کہ "ندائے خلافت" بھی ایک جماعت یعنی تحریک خلافت پاکستان کا ترجمان ہے لیکن چونکہ تحریک مروجہ انتخابی سیاست سے کلیتاً اظہار لاتعلقی کرتی ہے لہٰذا اس جریدہ کے سیاسی تجزیوں کا مقصد محض قارئین کو سیاسی معلومات بہم پہنچانا ہوتا ہے جو غیر جانبدارانہ اور مبنی بر حقائق ہوں۔ ان تجزیوں کا مقصد نہ تو کسی ایک جماعت کی حمایت اور نہ ہی کسی دوسری کی مخالفت ہوتا ہے۔ داعی تحریک جب کبھی کسی جماعت اور اسکی قیادت کی پالیسیوں پر اعتراضات کرتے ہیں تو ان اعتراضات کی پشت پر دلائل ہوتے ہیں نہ کہ محض مخالفت برائے مخالفت۔ نیز اگر کسی ایک کے اقدامات کو دین وملت کے خلاف سمجھتے ہوئے وہ اپنا اختلافی نقطہ نظر بیان کریں تو اسے کسی طور پر بھی اس کے کسی سیاسی حریف کی حمایت نہیں کہا جاسکتا۔ چونکہ تحریک کے نزدیک شخصیات اہم نہیں بلکہ اصل اہمیت اسلام اور پاکستان کی ہے کہ شخصیات آج ہیں تو کل نہیں ہونگی' اس لئے ہمارے نزدیک یہ ہرگز کوئی معیار نہیں بلکہ جس کسی کے بھی اقدامات اسلام وپاکستان کے خلاف جائیں گے ہم اس پر مثبت تنقید یہ سوچے بغیر کریں گے کہ وہ کس کے حق میں جارہی ہے۔ ہم نہ تو مروجہ سیاسی میدان کے شہسوار ہیں اور نہ ہی کبھی اس طرف آنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس لئے وقتی اثرات سے قطع نظر ہمیں حق نصیحت ادا کرتے ہوئے مثبت تنقید اور مفید مشورے دیتے رہنا ہے۔

ملک کی دو بڑی سیاسی جماعتوں کے بارے میں ہماری تحریک کا مؤقف بالکل واضح ہے کہ یہ دونوں سیکولر اقدار کی حامی' سرمایہ دارانہ اور سودی معیشت کی نگہبان اور امریکہ بہادر کی آشیرباد کی طلب گار ہیں۔ دونوں کے پاس معاشی اصلاح کا کوئی پروگرام سرے سے ہے ہی نہیں بلکہ وہ آئی۔ ایم۔ ایف اور ورلڈ بینک کی ہدایات کو بعینہ بجا لانے کے لئے ہردم تیار رہتی ہیں۔ دونوں کا دور حکومت اس وفاداری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اور پھر دونوں کا یہ طرز عمل بھی سب کے سامنے ہے کہ امریکہ کے ارباب حل وعقد کے سامنے اپنی اپنی اہلیت نیز ایک دوسرے سے بڑھ کر وفاداری ثابت کرنے کے لئے دونوں امریکی فرموں کی خدمات لاکھوں ڈالر کے عوض حاصل کرتی ہیں تاکہ وہ ان کے اقتدار کی راہ ہموار کریں۔

دراصل پاکستان کی سیاسی جماعتوں میں سے کسی سے بھی یہ توقع رکھنا کہ وہ انتخابات کے ذریعہ کامیاب ہو کر پسے ہوئے عوام کی حالت بدل دے گی یا بیرونی دنیا میں پاکستان کو باوقار مقام دلادے گی' سراسر خود فریبی ہی ہوگی۔ چونکہ اب عالمی سیاسیات و معیشت کی باگ ڈور جس قوت کے ہاتھ میں ہے اس کی ہاں میں ہاں ملائے بغیر حکومت کرنا ممکن ہی نہیں رہا' اس لئے اول تو اس کی خواہش کے بغیر کوئی برسراقتدار آہی نہیں سکتا بایں ہمہ جو جماعت بھی کسی طور برسر اقتدار آجائے وہ Status quo کے نظریہ پر چل کر ہی حکومت کر سکتی ہے۔ اس لئے اس سے معاشی' سیاسی اور خارجی سطح پر کسی بڑی تبدیلی کی توقع رکھنا کار عبث ہے۔ وہ ہر شعبہ میں اپنی انہیں پالیسیوں پر عمل کر سکتی ہے جو مزاج شاہی کو بری نہ لگیں۔

بھٹو اور ضیاء جیسی ہمہ گیر و متحرک شخصیات کا انجام ہمارے سامنے ہے۔ ہردو کے اپنے اپنے ادوار میں پہلے تو ایک حد تک ان کی رسی دراز کی گئی بلکہ حسب ضرورت سرپرستی بھی کی گئی لیکن جونہی عالمی کوتوال نے محسوس کیا کہ اب یہ حدود سے تجاوز کرنے کے مرتکب ہو رہے ہیں تو بغیر وقت ضائع کئے اگلے جہاں سدھارنے کا اہتمام کرکے قصہ پاک کردیا گیا جبکہ اس وقت تک تو عالمی قیادت وسیادت دو مراکز میں منقسم بھی تھی۔ اب ایک ہی سپریم پاور کا بول بالا ہے اس لئے آئندہ دنیا کے کونے کونے میں وہی ہوگا جو وہ چاہے گی۔ عراق اور پانامہ کی مثالیں ابھی اتنی پرانی نہیں ہوئیں کہ کوئی بھول جائے جن سے واضح ہوا تھا کہ جو بھی فرمان شاہی سے سرتابی

کرنے کی گستاخی کرے گا' اسے مکھن سے بال کی طرح نکال باہر کیا جائیگا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ کسی ملک میں ہمہ گیر انقلاب آجائے تو وہ انقلابی قیادت آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی جرات کر سکتی ہے جیسی جرات کا مظاہرہ ایرانی قیادت نے اپنے انقلاب کے فوراً بعد کیا تھا۔ گو کہ اب تو وہ بھی خاصی حد تک تائب ہو چکے ہیں۔ البتہ اس انقلابی جذبے کے علاوہ کسی اور کے بس کی بات نہیں کہ عالمی قوت سے بغاوت کا سوچ سکے کیونکہ ہماری بلی ہمیں کو میاؤں کے مصداق امریکہ کی رضامندی سے برسراقتدار آنے والا اس کا اشارہ نہ سمجھنے کی گستاخی بھلا کیونکر اور کیسے کر سکے گا!۔

اس تناظر میں تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت کو انتخابی راہ سے کسی قابل ذکر تبدیلی کے بارے میں نہ کوئی خوش فہمی ہے نہ ہی توقع۔ اس کے باوجود داعی تحریک کی طرف سے تواتر کے ساتھ انتخابات کا مطالبہ اس بنیاد پر ہرگز نہیں ہوتا کہ موجودہ حکمران نااہل ثابت ہو چکے ہیں اس لئے نئے انتخابات کے نتیجے میں نئی قیادت آکر ملک کی تقدیر بدل ڈالے بلکہ انتخابات کا مطالبہ محض اس رائے کے تحت کیا جاتا ہے کہ بحرانی کیفیت اپنی جڑیں اس قدر گہری نہ کر سکے جس کے نتیجے میں ملک ایک بار پھر مارشل لاء کی لپیٹ میں آجائے کیونکہ مارشل لاء کے نفاذ سے اس ملک کی وحدت کو شدید خطرہ ہے جس کے نتیجے میں وہ شاخ ہی ٹوٹ سکتی ہے جس پر ہم نظام خلافت کا ثمر شیریں لگنے کی امید لگائے بیٹھے ہیں۔ پھر انتخابات کا عمل ہماری رائے میں محض مریض کو زندہ رکھنے کے مترادف ہے۔ رہا اس ملک کے مسائل کا دیرپا علاج تو وہ ایک ہمہ گیر انقلاب کے نتیجہ میں عدل و قسط پر مبنی نظام خلافت کے قیام ہی میں مضمر ہے۔ چونکہ اس ملک کے قیام کا جواز اسلام کے سوا کچھ نہیں تھا' اس کا استحکام بلکہ بقاء بھی نظام اسلام کے حقیقی قیام ہی میں مضمر ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی علیٰ وجہ البصیرت جانتے ہیں کہ اس نظام خلافت کا قیام انتخابی جدوجہد کے ذریعہ نہیں ہو سکتا بلکہ نظام خلافت یا نظام مصطفیٰ ﷺ کا قیام بھی طریق مصطفیٰ ﷺ یعنی انقلابی جدوجہد ہی کے ذریعہ ہوگا۔ اس لئے تحریک و تنظیم کی تمام تر توجہ اپنی منزل کی طرف ہے اور وہ اپنی تمام تر توانائیاں اسی راہ میں لگا رہی ہے۔ چنانچہ ہمیں وقتی اور شخصی بکھیڑوں سے کوئی سروکار نہیں۔

ان ضروری امور کی وضاحت کے بعد ہم اپنے اصل نکتے کی طرف آتے ہیں۔ فاضل تجزیہ نگار نے حالیہ شمارے میں تجزیئے کا آغاز نہایت فکر انگیز انداز میں کیا لیکن آگے چل کر نواز شریف اور بے نظیر کے تقابل میں حد اعتدال پر قائم نہیں رہ سکے۔ موصوف فرماتے ہیں۔

(i) علاقائی و فرقہ وارانہ جماعتوں سے اتحاد کرنے کی بناء پر نواز شریف کی مقبولیت کا گراف تیزی سے گرا ہے۔

(ii) جبکہ پیپلز پارٹی کہہ سکتی ہے کہ اس نے علاقائی عصبیت والی کسی جماعت سے اتحاد نہیں کیا۔

موصوف کی یہ رائے سراسر جانبدارانہ بلکہ انکار حقیقت پر مبنی ہے۔ یہ درست ہے کہ نواز شریف نے اے این پی سے اتحاد کر کے نہ پہلے درست قدم اٹھایا تھا اور نہ اب۔ نیز گو کہ ممتاز بھٹو' بزن بزنجو' الطاف حسین اور محمود اچکزئی وغیرہ سے نواز شریف کے روابط کی خبریں ضرور آرہی ہیں لیکن تا حال اتحاد کا معاملہ طے نہیں ہوا۔ حالانکہ فاضل تجزیہ نگار نے ان روابط کو بھی اتحاد کا نام دے دیا ہے۔ ہماری رائے میں علاقائی و لسانی نظریات کے حامل گروپوں سے اتحاد و اشتراک کے لئے رابطہ کرنا بھی درست نہیں۔ مسلم لیگ قومی سوچ کی حامل جماعت ہے اسے وفاق پرست قومی جماعتوں ہی سے معاملات کرنے چاہئیں۔ چونکہ علاقائی جماعتوں سے اتحاد انہیں تقویت پہنچانے کے مترادف ہے اس لئے ہم نواز شریف کے اے این پی سے اتحاد اور دیگر روابط کو کسی طرح بھی قابل ستائش نہیں سمجھتے۔ اسی طرح موصوف فرماتے ہیں کہ نواز شریف نے سپاہ صحابہؓ سے بھی معاملہ کر لیا ہے۔ ہماری رائے میں موصوف کی یہ رائے درست نہیں۔ چونکہ ان دنوں تقریباً ہر موثر جماعت کے ساتھ دونوں بڑی جماعتوں کی طرف سے اتحاد و اشتراک کے لئے رابطے ہو رہے ہیں تو اس طرح کے رابطوں کو اتحاد کا نام دینا کسی طرح بھی درست سوچ نہیں۔

لیکن ہمیں حیرت مذکورہ بالا اتحاد کے بارے میں آراء سے اتنی نہیں ہوئی جتنی موصوف کے یہ فرمانے پر ہوئی ہے کہ پیپلز پارٹی یہ کہہ سکتی ہے کہ اس نے کسی علاقائی عصبیت کی جماعت سے اتحاد نہیں کیا۔

ہم فاضل تجزیہ نگار کو یاد دلانا چاہتے ہیں کہ پیپلز پارٹی نے الیکشن ۹۰ء میں پختونخواہ قومی پارٹی اور تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے ساتھ اتحاد کیا تھا۔ نیز الیکشن ۹۳ء کے لئے بھی یہ اتحاد برقرار ہے۔ اب موصوف خود ہی اپنی متذکرہ بالا رائے پر غور فرمائیں کہ کیا پی پی علاقائی اور قوم پرستانہ عصبیت اور تحریک جعفریہ فرقہ وارانہ عصبیت رکھنے والی جماعتیں نہیں ہیں؟۔ اسی پختون خواہ قومی پارٹی کے سربراہ پی ڈی اے کی طرف سے وزیر اعظم کے عہدہ کے لئے امیدوار اور نیز بعد ازاں اسمبلی میں ڈپٹی اپوزیشن لیڈر بھی تھے۔ اور یہ افضل خان اسمبلی میں صوبہ سرحد کو پختون خواہ کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ نیز جب اسمبلی ٹوٹنے پر نگران حکومت بنی تو انہیں وزیر مملکت کا عہدہ بھی پی ڈی اے ہی کے کوٹے سے ملا تھا۔

کیا موصوف اب بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ پی پی نے کسی علاقائی عصبیت کی جماعت سے اتحاد نہیں کیا؟ ہمیں حیرت ہے کہ فاضل تجزیہ نگار آخر کس جذبہ اور مقصد کے تحت ان حقائق کے اخفاء پر مجبور ہوئے ہیں؟۔ موصوف اگر نواز شریف کی طرف سے علاقائی و فرقہ وارانہ جماعتوں سے اتحاد و اشتراک کے عمل کو ان کی ناکامی گردانتے ہیں اور بینظیر کی طرف سے ایسے عمل پر اپنی اس رائے کا اطلاق نہیں کرنا چاہتے تو کم از کم یہ تو نہ کہیں کہ پی پی نے ایسا نہیں کیا۔ آخر اس خالصتاً جانبدارانہ طرز عمل کو کیا نام دیا جائے؟۔

ہم ان دونوں زیر بحث شخصیات اور ان کی جماعتوں کے بارے میں اپنا واضح نقطہ نظر سطور بالا میں پیش کر چکے ہیں۔ اس لئے ہمیں نواز شریف اور بے نظیر میں سے نہ تو اول الذکر کا دفاع کرنا مطلوب ہے اور نہ ہی مؤخر الذکر کی مخالفت۔ ہم دونوں کے طرز عمل سے بخوبی آگاہ ہیں اس لئے ہر دو سے ہمیں قطعاً کوئی توقعات نہیں ہیں۔ لیکن چونکہ دونوں قائدین اپنے اپنے حلقہ اثر میں ایک مقام رکھتے ہیں اور "ندائے خلافت" کی نہ تو ایک سے ہمدردی ہے اور نہ ہی دوسرے سے عداوت' اس کے صفحات پر دونوں شخصیات میں سے کسی ایک کے بارے میں خالصتاً جانبدارانہ نقطہ نظر چھپنے سے "ندائے خلافت" کی غیر جانبدارانہ حیثیت مجروح ہو سکتی ہے۔ اس لئے ہم فاضل تجزیہ نگار کی خدمت میں عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اپنے یکطرفہ نقطہ نظر سے داعی تحریک کے غیر جانبدارانہ' بے لوث اور مخلصانہ سیاسی مشوروں نیز ان کی انقلابی جدوجہد کو ضعف پہنچانے کا سامان نہ کریں۔ داعی تحریک کی سیاسی آراء اس قدر ٹھوس' مدلل اور مبنی بر حقیقت ہوتی ہیں کہ کوئی شخص بھی ان سے اتفاق کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لیکن جب موصوف کی مذکورہ بالا قسم کی جانبدارانہ آراء اس جریدہ کی زینت بنتی ہیں جس کا واضح تعلق داعی تحریک کے ساتھ ہے' تو عام قاری ان کے مطالعہ کے بعد جب یہ تبصرہ کرتے ہیں کہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے رسالے میں اس طرح کا یکطرفہ تجزیہ دیا گیا ہے تو غور کیجئے کہ اس طرح داعی تحریک کی شخصیت' ان کی جدوجہد اور سیاسی مشوروں پر جانبداری کا لیبل لگتا ہے کہ نہیں!۔

عابد صاحب آگے چل کر فرماتے ہیں کہ بے نظیر عوام میں اتنی مقبول ہیں کہ وہ جہاں بھی چلی جائیں' ہزارہا عوام ان کے نام پر جمع ہو جاتے ہیں جبکہ نواز شریف دیگر خوبیوں کی طرح اس خوبی سے بھی محروم ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ بے نظیر اس ملک کی مسلمہ رہنما ہیں۔ ان کی عوامی مقبولیت سے انکار حقائق کا منہ چڑانے کے مترادف ہے۔ اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ وہ نظری سیاست پر وسیع مطالعہ اور یورپی ممالک میں بااثر مداح بھی رکھتی ہیں۔ بے نظیر کے مقابلے میں نواز شریف سیاسی علوم پر تو اس طرح دسترس نہیں رکھتے لیکن سیاست کے باطنی اسرار و رموز سے ان کی آگہی کو تو خود موصوف گزشتہ شمارے میں تسلیم کر چکے ہیں۔ نیز جب سے سربراہ حکومت کی حیثیت سے وہ بیرونی دنیا میں

متعارف ہوئے ہیں تو اب وہ بھی بیرونی دنیا میں ذاتی روابط سے مکمل طور پر محروم ہرگز نہیں رہے۔ لیکن اس صفت میں وہ ابھی بے نظیر کے ہم پلہ اس لئے نہیں کہلا سکتے کہ بے نظیر کا تعارف پہلے بھٹو صاحب جیسی ہمہ گیر شخصیت کی بیٹی کی حیثیت سے ہوا اور وہ خود بھی مطلع سیاسی پر نمودار ہو کر وزیر اعظم تک پہنچی ہیں اس لئے اس لحاظ سے نواز شریف ابھی نئے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کا تعارف بھی اس دائرہ میں وسعت اختیار کرلے گا۔

البتہ عوامی مقبولیت میں نواز شریف بے نظیر سے کسی طرح کم نہیں رہے۔ اسمبلی ٹوٹنے کے بعد اور اب دوبارہ حکومت کے خاتمے کے بعد نہ تو ان کے پاس سرکاری ذرائع ابلاغ ہیں اور نہ ہی سرکاری وسائل اس لئے اب ان کے جلسوں میں حاضری خالصتاً اس عوامی مقبولیت کا مظہر ہے جو انہیں حاصل ہوئی ہے۔ ہم موصوف کی اس رائے کا پہلے ہی تجزیہ کر چکے ہیں جس کی بنا پر موصوف نواز شریف کی عدم مقبولیت ثابت کرتے ہیں حالانکہ گزشتہ شمارے میں موصوف یہ رائے ظاہر کر چکے ہیں کہ "مگر اب نواز شریف اور بے نظیر میدان سیاست میں اپنی قوت کی بناء پر ہیں"۔ اگر فاضل تجزیہ نگار کی رائے میں جلسوں کی حاضری ہی معیار مقبولیت ہے تو پھر تو نواز شریف بھی اتنے ہی مقبول ہیں جتنی کہ بے نظیر لیکن ہماری رائے میں جلسوں کی حاضری کو مقبولیت کا معیار نہیں ٹھرایا جاسکتا۔ اس کے لئے تو پیمانہ ایک ہی ہے جس کا نتیجہ اب زیادہ دور نہیں۔ ۶ اکتوبر کو معلوم ہو جائیگا کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ جبکہ ہر جلسے میں حاضرین کی ایک معقول تعداد محض تماشائی کی حیثیت سے آجاتی ہے اور ووٹ کا استعمال لوگ یہ دیکھ کر نہیں کرتے ہیں کہ ہم نے کس کس کے جلسے میں شرکت کی تھی۔ چنانچہ موصوف کی یہ رائے جانبداری پر مبنی ہے کہ بے نظیر کے نام پر تو ہزار ہا لوگ جمع ہو جاتے ہیں جبکہ نواز شریف میں یہ خوبی نہیں۔ ہمارا موصوف کو مشورہ ہے کہ گزشتہ ایک ہفتے کی اخبارات اٹھا کر دیکھ لیں اور بے نظیر کے ساتھ ساتھ نواز شریف کے جلسوں اور استقبال کی رپورٹوں سے اپنی رائے کے غلط یا درست ہونے کا تعین کرلیں۔

اسی طرح فاضل تجزیہ نگار نواز شریف کو بے نظیر اور پی پی کے خلاف گھسے پٹے الزامات نہ دہرانے کا مشورہ دیتے ہیں۔ اپنی جگہ یہ بہت ہی صائب مشورہ ہے کیونکہ ایک دوسرے کے منشور زیر بحث آنے چاہئیں نہ کہ شخصی کردار اور ماضی کے حوالے سے الزامات۔ لیکن موصوف اپنے اس مشورے سے پی پی کو کیوں محروم کر رہے ہیں کہ وہ بھی نواز شریف کو آمریت کی نشانی اور مارشل لاء کی پیداوار جیسے طعنے دینا بند کردے جو کہ پی پی کی قیادت وقفے وقفے سے دہراتی رہتی ہے۔ اگر مارشل لاء کے زیر سایہ سیاست میں متعارف ہونا بری چیز ہے تو بھٹو مرحوم سمیت بہت سے موجودہ سیاسی قائدین اسی طرح سے متعارف ہوئے ہیں اور یہ کوئی عیب کی بات نہیں بشرطیکہ ان قائدین کا موجودہ مقام ان کی محنت اور عوامی پذیرائی کے باعث ہو۔ نیز موصوف کا یہ کہنا بھی درست ہے کہ بھٹو صاحب کے اعمال بے نظیر کے کھاتے میں نہیں ڈالنے چاہئیں لیکن اگر موصوف اپنی رائے میں یہ اضافہ بھی کرلیتے تو ہر دو کے ساتھ انصاف ہو تا کہ ضیاء الحق صاحب کے اعمال کو بھی نواز شریف کے پلڑے میں ڈالنا درست نہیں کیونکہ شخصیات بدلنے سے اصول نہیں بدل جاتے۔ جو بات ادھر نامناسب ہے تو دوسری طرف وہی بات مناسب کیسے ہو سکتی ہے۔

اسی طرح فاضل مضمون نگار نواز شریف کی مقبولیت بتدریج کم ہونے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حکومت سے باہر آکر انہوں نے اسٹیبلشمنٹ سے ٹکراؤ کے رویہ میں تبدیلی کرلی ہے۔ نیز موصوف انہیں یہ مشورہ بھی دیتے ہیں کہ وہ کھل کر کہیں کہ وہ اقتدار میں فوجی و سول بیوروکریسی کے پس پردہ کردار کے خلاف ہیں۔ مقام تعجب ہے کہ موصوف جیسے منجھے ہوئے صحافی کی اس رائے کی بنیاد کیا ہے۔ کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ بیوروکریسی سے بنا کر رکھے بغیر حکومت کرنے کا کوئی تصور ہی نہیں۔ بھٹو مرحوم جیسی ہمہ صفت شخصیت بھی بیوروکریسی کے کردار کو زائل کرنے میں مکمل طور پر کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔ کیا بے نظیر صاحبہ نے اٹھارہ ماہ کا اقتدار فوجی و سول بیوروکریسی کی شرائط پر نہیں گزارا اور اپنی حکومت کو گرانے میں ان کے پس پردہ و سرعام کردار کو بخوبی جاننے کے باوجود اسے الیکشن ۹۰ء کا ایشو نہیں بنا سکی تھی تو کیا نواز شریف ایسا کر سکیں گے؟۔ موصوف نواز شریف سے اسٹیبلشمنٹ کو للکارنے کی امید کس بناء پر رکھتے ہیں۔ انہوں نے اگر ایک بار ایسا کیا ہے تو اس جرات کا پھل اسمبلی ٹوٹنے کی صورت میں پالیا تھا۔ یہ تو بھلا ہو سپریم کورٹ کا کہ جس نے اسمبلی بحال کردی لیکن اسٹیبلشمنٹ کو للکارنے کی گستاخی اتنی بڑی سمجھی گئی کہ اسمبلی بحال ہو جانے کے باوجود ایسے حالات پیدا کردیئے گئے کہ جی کا جانا ٹھہر گیا۔ اور پھر اس روانگی میں تو تمام حجاب توڑ کر حقیقی قوت مقتدرہ نے فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ تو کیا اب نواز شریف وہی حرکت دہرا کر اپنے اوپر اقتدار کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کرنا چاہیں گے؟۔ ہرگز نہیں۔ نہ پہلے کسی نے ایسے کیا ہے اور نہ ہی نواز شریف ایسا کریں گے کیونکہ محدود سہی، اقتدار کے تو بہرحال اپنے مزے ہیں۔ اگر بے نظیر نے مخالف صدر، وزیر خارجہ اور فوجی سربراہان کو گوارہ کرتے ہوئے اقتدار قبول کرلیا تھا تو یہ کیوں کر اقتدار کو ٹھوکر ماریں گے۔ ویسے آپس کی بات ہے، موصوف کا یہ مشورہ حب علیؓ کی وجہ سے ہے یا بغض معاویہؓ کے سبب!۔

آخر میں ہم یہ عرض کردینا ضروری سمجھتے ہیں کہ سطور بالا کو رقم کرنے کی ہرگز ضرورت پیش نہ آتی اگر موصوف کی آراء سے دانستہ و نادانستہ تحریک خلافت کے مشن و ہدف پر حرف آنے کا خدشہ نہ ہوتا کیونکہ ہماری جو بھی ٹوٹی پھوٹی توانائیاں ہیں، وہ انقلابی جدوجہد کے ذریعہ احیائے نظام خلافت کے لئے مختص ہیں اور وقتی و شخصی مباحث میں پڑ کر یا کسی ایک پارٹی کا تتمہ ولاحقہ ہونے کا لیبل لگوا کر ہم اپنی منزل کھوٹی نہیں کرنا چاہتے۔ ہماری تمام تر وفاداریاں اسی مقدس مشن کے ساتھ ہیں اس راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو دور کرنا ہم اپنا دینی و ملی فریضہ سمجھتے ہیں۔ اس لئے ہم بہانگ دہل یہ بتادینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمیں نہ تو نواز شریف سے عقیدت ہے اور نہ ہی بے نظیر سے عداوت بلکہ ان میں سے جو بھی اسلام و پاکستان سے وفاداری کرے گا ہم اس کی تائید کریں گے۔ نیز جو بھی ان کو نقصان پہنچانے کا باعث بنے گا، ہم اس پر بھرپور تنقید کریں گے۔ اس سے بڑھ کر ہمارا ان دونوں سے کوئی واسطہ نہیں کیونکہ ہم دونوں میں سے کسی کے بھی نہ تو ووٹر ہیں نہ ہی سپورٹر۔ نیز سطور بالا میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ نواز شریف کی وکالت کے لئے ہرگز نہیں بلکہ بے نظیر کے بارے میں فاضل تجزیہ نگار کی آراء سے "ندائے خلافت" پر جو جانبداری کا شبہ ہو سکتا تھا اسے دور کرنے کی ادنیٰ سی کاوش کی گئی ہے کیونکہ بقول شاعر

مری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی

بقیہ: پاکستان کے آئندہ انتخابات

معین قریشی صاحب کی ذات سے وابستہ امید کا دارومدار کسی حد تک اس امر پر بھی ہے کہ ان فیصلوں پر ان کی ذاتی زندگی کے مختلف رنگ مثلاً ان کی مبینہ بلانوشی، یہودی بیوی یا داماد وغیرہ کس حد تک اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ تاریکی گھٹا ٹوپ سہی مگر یہ بھی بہرحال سچ ہے کہ تاریخ یقیناً ایک دفعہ پھر "پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے" کے انداز میں خود کو دہرا سکتی ہے۔ کیا عجب کہ جناب معین قریشی کی بطور وزیر اعظم پاکستان تقرری ہی یہود کی وہ غلطی ہو جو "مکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین" کا مصداق بن جائے۔ ہم اہل علم میں سے تو نہیں ہیں تاہم رحمت باری تعالیٰ سے امید ہے کہ اگر قریشی صاحب یہ کام محض اللہ کی رضا کے لئے کر گزریں تو آخرت میں ان کی یہ نیکی رائیگاں نہیں جائے گی۔ البتہ اگر وہ ایسا نہیں کرتے یعنی تاریخ آج اپنے کو دہرانے پر تیار نہیں ہے تو یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ درندے کے منہ کو خون لگ گیا ہے۔ اب تقدیر بدلنے والا قدم مجھے اور آپ کو اٹھانا ہوگا۔ ○○

نامے میرے نام...

امیر تنظیم اسلامی اور داعی تحریک خلافت گزشتہ ایک سال سے پاکستانی قوم کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ عذاب الٰہی جس کی خبر قرآن اور احادیث کے حوالے سے وہ ایک مدت سے دیتے آرہے ہیں' اب ہم پر نازل ہو چکا ہے! ہمارے گرد گھیرا تنگ سے تنگ تر ہو تا جارہا ہے لیکن افسوس کہ قوم نوح کی طرح ہم کسی بات کو سننے کے لئے تیار ہی نہیں ہیں۔

۱۰/ اگست ۱۹۹۳ء کے روزنامہ ڈان کی ایک خبر آپ کو بھیج رہا ہوں جو آپ کے حوالے سے ندائے خلافت کے قارئین تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ اخبار کا رپورٹر خود حیران ہے کہ امریکی ہمارے بازار حصص میں کیا کر رہے ہیں..!! دراصل حیران ہونے کی بات نہیں' یہ تو ایسٹ انڈیا کمپنی کا سا انداز ہے.. یہ تو تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔ یہ تو وہ حقیقت ہے جیسے ماؤزے تنگ نے یوں کہا

Those who donot remember their past
are condemned to repeat it.

یہ تو وہ حقیقت ہے جو خالق کائنات نے قرآن میں فرمائی کہ اگر تم اپنی روش نہیں بدلو گے تو ہم بھی اپنی سنت پر قائم رہیں گے۔

گزشتہ سالوں میں امریکی حملہ نشریاتی سیارچے کے حوالے سے سی این این کی صورت میں شروع ہوا' لادینی عناصر کی حوصلہ افزائی اور انسداد شریعت بل کا مزید انسداد کرتے کرتے آخر آج اس نے پاکستان میں ورلڈ بینک کی براہ راست حکومت قائم کردی ہے۔ تجارت پر بھی سیدھے سبھاؤ قبضہ ہو رہا ہے۔

دو دن بعد ۱۴/ اگست ۱۹۹۳ء ہے۔ ہم ہر طرف سے سبز ہلالی پرچم دیکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اگلے سال بھی ہم یہی پرچم ہوا سے اٹھکیلیاں کرتے دیکھ سکیں۔ (آمین)۔

——— اختر ندیم کراچی

کراچی سٹاک ایکسچینج پر بیرونی حملہ

کراچی سٹاک ایکسچینج میں بہت بڑی تعداد میں ہونے والی درپردہ سودے بازیاں اس امر کی غمازی کرتی ہیں کہ یہ ہائپل معمولی نوعیت کی نہیں بلکہ کسی قبضہ گروپ کا سوچا سمجھا اقدام ہے۔

ایک سرکردہ دلال کا کہنا ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں امریکیوں کی یہاں آمد سیر و تفریح کے لئے نہیں ہے۔ ان کے پیش نظر خاص مقصد ہے اور وہ پوری تندہی سے حساب کتاب میں لگے ہوئے ہیں۔ ایک تجزیہ نگار کا خیال ہے کہ ایک ہی ہلے میں کے۔ ایس۔ ای' کے حصص کو سو سے پینتالیس پوائنٹ تک اوپر لے جانا آسان نہیں۔ ایک دن میں پانچ ارب روپے کی مارکیٹ میں سرمایہ کاری کے لئے بے تحاشا وسائل درکار ہوتے ہیں۔

جہانگیر صدیقی یہاں حصص کا کاروبار کرتے ہیں انہیں اندازہ تھا کہ یہ کاروبار کیا گل کھلانے والا ہے وہ پاگل نہ تھے کہ اپنے کھاتوں کو لبریز کرلیں۔

دو سال قبل معیشت کے آزاد ہونے اور سٹاک مارکیٹ کو کھلا چھوڑے جانے کے بعد امریکیوں نے کبھی سٹاک مارکیٹ کا رخ نہیں کیا تھا مگر نئے انتخابات کے اعلان کے ساتھ ہی ان کی اچانک بھیڑ لگ جانا بے معنی نہیں۔

ایک خبر یہ بھی ہے کہ نیویارک سے پہلے ہی سرمایہ مارکیٹ میں پہنچ چکا تھا اور ایک سو ملین کی سرمایہ کاری کا منصوبہ ہی بعض مخصوص حصص پر حالیہ دباؤ اور بعد ازاں ان کو اچک لے جانے کا باعث ہوا تھا۔

بیرونی سرمائے سے متعلق ذرائع کا کہنا ہے کہ خریداری کی اس نئی لہر سے مقامی سرمایہ کاروں کو جلد ہی بہت بڑا مال ہاتھ آنے والا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس کا مقصد کے۔ ایس۔ ای' پر قبضہ جما کر انتظامی تبدیلی لانا ہے جبکہ بعض دوسرے لوگ باہر سے آنے والے سرمائے کو اس کا سبب قرار دیتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ مثال کے طور پر اثاثوں کی سرمایہ کاری کے بینک' کے دو ملین حصص کی دس روپیہ ظاہری قیمت پر خریداری کس نے کی ہے..؟ یا "ہجویری مضاربہ" اور "پنجاب لیزنگ" کے ایک ایک ملین حصص ظاہری قیمت سے کم پر دس روپیہ میں خریدنے والا کون ہو سکتا ہے..؟ عام خریداروں میں کوئی بھی ایسا نظر نہیں آتا جو بغیر اشارے کے نشاط ملز کے چھ ملین حصص بہتر(۷۲) روپیہ کے اونچے نرخ پر خریدنے کا حوصلہ رکھتا ہو۔

کراچی سٹاک ایکسچینج کے ذرائع ان تمام درپردہ سودوں کو یا تو مالیاتی اداروں کے درمیان ہونے والے سودے قرار دیتے ہیں یا اراکین کے درمیان تبادلے کے سودے۔ ان میں کچھ سودے ایسے بھی ہیں جو منتظمین کے مابین طے پائے ہیں اور بعض بہت ہی کم نرخوں پر جبکہ کارپوریٹ لاء اتھارٹی کوشش کے باوجود پچھلے چند سال میں اس طرح کے سودوں کا پتہ نہیں چلا سکی لیکن حصص خریدنے کی موجودہ دوڑ ایک نئی علامت کے طور پر سامنے آئی ہے۔ بالائی سطح پر ہونے والی سیاسی تبدیلیوں کے بعد پہلی مرتبہ یہاں سننے میں آیا کہ بیرونی سرمایہ کاروں نے اپنے مقامی ایجنٹوں سے کہہ دیا ہے کہ کسی بھی قیمت پر حصص کی خریداری کرلیں اور گزشتہ ہفتے معمول سے کہیں زیادہ یعنی دو کھرب بتیس ارب روپے کے مارکیٹ میں آنے سے بعض حصص پر بہت زیادہ دباؤ دیکھنے میں آیا مگر ابھی شاید یہ معمہ ہی رہے کہ اصل خریدار کون ہے۔

(روزنامہ ڈان کراچی' ۱۰ اگست ۹۳ء کی ایک خبر کا ترجمہ)

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

تحریک خلافت پاکستان کے ناظم اعلیٰ "ایوان وقت" میں

اولین ضرورت شرح خواندگی میں اضافے اور سیاسی جماعتوں کے استحکام کی ہے

متناسب نمائندگی کا طریقہ کار فی الحال پاکستان کے لئے مناسب نہیں

ہمارے ہاں تو انتخابات آڑھت کے اصول پر ہوتے ہیں

نوائے وقت ۔ ۲۲ اگست ۹۳ء سے ماخوذ

موجودہ سیاسی نظام اسلامی اصولوں کے مطابق نہیں ہے تاہم متناسب نمائندگی کے نظام میں زیادہ پیچیدگیاں ہیں جن سے اسلامی طریقہ انتخاب اختیار کرنے میں مزید قباحتیں پیدا ہوں گی۔ جب تک ہم اسلامی طرز حکومت اور طرز انتخاب کی منزل کو پا نہیں لیتے اس نظام کو یکسر تبدیل کرنے کی کوشش میں غیر جمہوری قوتوں کے مسلط ہونے کا اندیشہ موجود ہے۔

متناسب نمائندگی کے بارے میں حتمی رائے قائم کرنے سے پہلے صورت حال کا ٹھنڈے دل سے جائزہ لینا ضروری ہے۔ متناسب نمائندگی کے مطالبہ نے حال ہی میں زور پکڑا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وطن عزیز میں سیاسی پارٹیوں کی بھرمار ہو گئی ہے جس کی وجہ سے انتخابی اتحاد بنانے کا انداز اپنایا جا رہا ہے اور بڑی بڑی سیاسی جماعتیں بھی بغیر اتحاد بنائے الیکشن نہیں لڑتیں۔ ۹۰ء کے الیکشن میں بھی ملک کی بڑی سیاسی جماعتوں نے اتحاد بنا کر انتخابات میں حصہ لیا۔ جو جماعتیں اتحادوں میں شامل ہونا نہیں چاہتیں یا ان کی اپنی پوزیشن اتنی مستحکم نہیں ہے کہ فیصلہ کن کردار ادا کریں وہ متناسب نمائندگی کے طریقہ انتخاب پر اس لئے زور دے رہی ہیں کہ ان کے نمائندے بھی اسمبلیوں میں پہنچ سکیں۔

میری رائے میں موجودہ صورت حال میں ملک میں متناسب نمائندگی کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے ہاں انتخابات کا جو نظام رائج ہے اس میں افراد کی رائے کا بہت کم عمل دخل ہے کیونکہ ہمارے ہاں انتخابات آڑھت کے اصولوں پر ہوتے ہیں۔ ہر حلقہ میں ووٹروں کے آڑھتی موجود ہیں جن کے پاس ووٹوں کی منڈی کے مختلف حصے ہیں۔ ان ہی آڑھتیوں کے ذریعے سیاسی پارٹیاں ووٹ حاصل کرتی ہیں۔ ان میں علاقے کے جاگیر دار، صاحب ثروت طبقہ اور برادری سسٹم کے تحت اثر و رسوخ رکھنے والے لوگ شامل ہیں۔ بہت کم پڑھے لکھے افراد ایسے ہیں جو اپنا ووٹ مرضی سے بغیر کسی دباؤ کے استعمال کرتے ہیں لہٰذا جب تک ناخواندگی پر قابو نہیں پایا جاتا اس وقت تک سیاسی شعور بلند نہیں ہو گا اور مکمل سیاسی شعور کے بغیر متناسب نمائندگی کا اصول بے کار ثابت ہو گا۔

اکثر سیاسی پارٹیاں منظم نہیں ہیں کیونکہ منظم سیاسی پارٹیاں ہر وقت کسی بھی طرح کے حالات کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہتی ہیں۔ اگر اچانک ان کو حکومت سنبھالنا پڑ جائے تو اس کے لئے وہ "شیڈو کیبنٹ" تیار رکھتی ہیں، ہوم ورک کرتی ہیں لیکن ہمارے ہاں ایسا نہیں ہے۔ اگر ان اصولوں کے تحت کوئی سیاسی جماعت اسمبلیوں میں پہنچ بھی جائے تو اس کے پاس پروگرام کوئی نہیں ہو گا۔ متناسب نمائندگی سے مزید انتشار پیدا ہو گا۔ آج کل لوگ اپنی پارٹیاں اس لئے بھی چھوڑ دیتے ہیں کہ انہیں پارٹی ٹکٹ نہیں ملتا۔ متناسب نمائندگی کے ذریعے جب پارٹیاں ترجیحی اعتبار سے اپنے نمائندوں کی فہرست پیش کریں گی تو مزید افراتفری پیدا ہو گی۔ پارٹی کے اندر جو اتفاق ہے وہ پارہ پارہ ہو جائے گا۔ جمہوری انداز کے انتخابات میں امیدواروں کا اپنے ووٹروں سے تعلق، تعارف اور رابطہ ضروری ہے۔ لوگ امیدواروں کو دیکھتے ہیں اور پرکھتے ہیں۔ متناسب نمائندگی کے اصول کے تحت بلاواسطہ چناؤ ہو گا اور ایسے نمائندے ان کے سامنے آئیں گے جنہیں عوام نے دیکھا بھی نہ ہو گا۔ لہٰذا سردست متناسب نمائندگی کے طریقہ کار کی ضرورت نہیں ہے۔

ویسے بھی اس طریقہ کار کے مطابق صرف پارٹیوں کو ان کے منشور کی وجہ سے ووٹ ملتا ہے اور منشور تقریباً سب پارٹیوں کے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ اچھے ہی ہوتے ہیں۔ یہاں بھی منشور کی بجائے پارٹی وابستگی کا خیال رکھا جائے گا اور عام لوگوں کے لئے اپنے نمائندوں کا محاسبہ کرنا مشکل ہو جائے گا جبکہ موجودہ صورت حال میں عوامی نمائندوں کو انتخابی حلقوں میں اپنی کارکردگی کے حوالے سے عوام کے سامنے جواب دہ ہونے کا خیال رہتا ہے۔ بلکہ گزشتہ انتخابات میں یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ جن لوگوں نے اپنے حلقہ انتخابات میں عوامی مسائل کی طرف توجہ دیتے ہوئے تعمیری کام کئے ہیں انہیں عوام کی طرف سے پذیرائی حاصل ہوتی رہی اور وہ اپنی کارکردگی کی بنیاد پر منتخب ہوتے رہے۔ متناسب نمائندگی کے طریقہ کار سے نہ تو عوام اپنے منتخب نمائندوں کا محاسبہ کر سکیں گے نہ ہی عوامی نمائندوں کو اپنے حلقہ سے رابطہ کی ضرورت محسوس ہو گی۔ اس طرح سے بے یقینی اور عدم اعتماد کی فضاء پیدا ہو گی۔ ویسے متناسب نمائندگی کے طریقہ کار میں ایک خاص تعداد میں کم ووٹ حاصل کرنے والی پارٹی کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ ۱۹۸۸ء اور ۹۰ء انتخابات کے نتائج کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ملک میں سیاسی اور مذہبی جماعتیں تین ہی ہیں جو اس ملک کی سیاست میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ ○○